قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۱۷

کراچی : ہفتہ - ۲۸ - مئی ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

دین میں فرقے پیدا ہو جانا کفر ہے - شرک ہے - عذاب ہے - سوال یہ ہے کہ جب دین میں فرقے پیدا ہوجائیں تو ان کے مٹانے کی کیا صورت ہے؟ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے - اور وہ خود خدا کی بتائی ہوئی ہے - اس نے اپنے رسول سے (اور رسول کی وساطت سے تمام مومنین سے) کہا کہ اتبع ما اوحی الیک من ربک - جوکچھ تیرے نشو و نما دینے والے کی جانب سے تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اس کی اتباع کرو - لااله الاهو - اور اس حقیقت کو ہر وقت یاد رکھو کہ اقتدار اور قانون صرف اسی کا ہے - اس کے سوا کسی اور کے قانون کی اتباع جائز نہیں - تم اس روش کو اختیار کرو اور اس طرح واعرض عن المشرکین (۶/۱۰۷) تم مشرکین سے الگ ہو جاؤ - ان سے اعراض برتو -

شرک کے راستے سے اعراض برت کر خالص توحید کا راستہ اختیار کرنے کا یہ طریقہ ہے - یعنی مایوحیٰ کی اتباع -

---

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ----------

۱ تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو گی وہ صحیح ہو گی جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔

۴ حضور نبی کریم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن عجمی سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر دی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا کھرا معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶ اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے)۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد و معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا (اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)

۸ ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ----------

اسلامی پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی دبی ہوئی صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ پاکستان کا دل ★ شہری خطرہ ★ مودودی صاحب کو چیلنج ★ "اخلاقی نامرد" ★ کشمیر کا مسئلہ
★ سوئی گیس ★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ ابن جریر طبری ★ مجلس اقبال ★ عورت کا قرآن
★ حقائق و عبر ★ باب المراسلات ★ بین الاقوامی جائزہ ★ عالم اسلامی ★ بزم طلوع اسلام

تازہ پیشکش

٭ اقبال اور قران

علامہ اقبال کے قرانی پیغام کے متعلق

محترم پرویز صاحب

کے دلکش مضامین اور انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ۔

اقبال کے سمجھنے کے لئے

اس سے بہتر کتاب آپکو بمشکل مل سکیگی۔

ضخامت اڑھائی سو صفحات سے زیادہ۔

قیمت ڈسٹ کور کے ساتھ صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔

جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ھے انھیں کتاب از خود بھیجدی جائیگی۔

اگر وہ کتاب نہ لینا چاھیں تو اسکی بابت جلد اطلاع دیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔ کراچی۔ ۳

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء نمبر ۱۷

پاکستان کا دل

دلِ مُردہ دِل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

پنجاب کو قائدِ اعظم نے پاکستان کا دل کہا تھا اور دیکھا جائے تو یہ علاقہ فی الواقعہ جسدِ پاکستان میں بمنزلہ دل کے ہے۔ دل کا مقام جسم میں کسی تشریح کا محتاج نہیں اس کی صحیح حرکت پر سارے جسم کی صحت بلکہ زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جسدِ پاکستان کی صحت سے متعلق چنداں خوش فہمی کی گنجائش باقی نہیں رہتی کیونکہ اس مرکزی عضو کا عمل کبھی درست نہیں ہوا۔ قیامِ پاکستان کے وقت سینۂ پنجاب پر پریمینیٹ کا بوس مسلط تھا اس کا نتیجہ تھا کہ لے آگ اور خون کا جو ہولناک کھیل بھی کھیلا پڑا اور کٹ کر دو ٹکڑے بھی ہو جانا پڑا۔ جس سے لاکھوں مسلمان تہ تیغ ہوئے اور لاکھوں تباہ حال اس کی پشتِ ناتواں کا بوجھ بن گئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد تقسیم و افتراق کا بیج کچھ اس انداز سے پنجاب کی زرخیز زمین میں بو دیا گیا کہ اس بدقسمت صوبے کو توازن کا ایک دن بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ قائدِ اعظم کی حینِ حیات میں ہی اربابِ سیاستِ پنجاب کی خانہ جنگی اس قدر گھناؤنی ہو گئی تھی کہ ان کی ساعی مفاہمت یکسر ناکام ہو گئیں۔ قائد کے انتقال کے بعد سیاست کا جو دور شروع ہوا اس کا دارومدار ہی ریشہ دوانی اور سازش پر تھا۔ اس پر پاکستان کے دل پر دورے پر دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ اگر آج تک یہ دل حرکت کرتا رہا ہے تو یہ اس کی غیر معمولی سخت جانی کی نشانی ہے، مرض کی شدت کی کمی کا ثبوت نہیں۔ لیاقت علی خاں مرحوم کے زمانہ میں بھی پنجاب کی وزارت سازشوں کی آماجگاہ بنی رہی خواجہ ناظم الدین کا عہد شروع ہوا تو اس کشمکشِ اقتدار میں بنگالی عنصر کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس دوران میں پس پردہ جو کچھ ہوتا رہا اس کا ہلکا سا نقشہ اس وقت سامنے آیا جب پنجاب میں مرزائیت کی تحریک کے جہنم سے نکلا اور اس تحریک کے متفرق کردار تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے۔ اس کی تفصیل میں اب جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی یاد ہنوز دلوں میں تازہ ہے۔

فسادات کی آگ فرو ہوئی تو خیال پیدا ہوا کہ شاید اس صوبے کی قسمت اب پلٹا کھائے اور اس کی سیاست اپنا رخ صحیح منزل کی سمت کرے۔ تحریک کے دوران کے وزیرِ اعلیٰ، میاں دولتانہ وزارت سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے خود ملک فیروز خاں کا نام بطور جانشین تجویز کیا۔ عنانِ وزارت ان کے سپرد کر کے وہ صوبے کی بلکہ ملکی سیاست سے کم سے کم وقتی طور پر کنارہ کش ہوتے نظر آئے اور یورپ سدھار گئے۔ مگر مرکزی سیاست نے ان کی فوری واپسی کے وافر سامان پیدا کر دیئے۔ برطرف شدہ مجلس دستور ساز نے ایسی بساط بچھائی کہ ہواؤں کے بندے، عہدوں کے بھوکے اور ملک کے دشمن اپنے اپنے سروں پر سازشوں کے جالوں کے پشتارے لادے کراچی میں آموجود ہوئے۔ سیاست کے سٹیج پر سات سال سے جو گھناؤنا ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا یہ اس کی داستان جگر گداز کا انتہائی نقطہ (CLIMAX) تھا۔ مملکتِ خداداد پاکستان سازشوں کے گراں بار بوجھ کے نیچے دب کر دم توڑ رہی تھی اور روحِ پاکستان زبانِ حال سے پکار رہی تھی:-

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

اب سیاسی ریشہ دوانیوں کا مرکز کراچی بن گیا۔ بحیرۂ عرب کے تمام جغادری ہنگ سیپ جمع ہو گئے۔ سب کی نظریں پنجاب پر تھیں۔ وہ متعجب تھے کہ پاکستان کا یہ دل ابھی تک دھڑک رہا تھا حالانکہ اس کی حرکت کو بند کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ کراچی سے تار ہلائے گئے اور پتلیوں نے ناچ ناچ کر پنجاب کے بیڑے کو یوں ڈگمگائے رکھا کہ

گماں تھا یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے!

کراچی میں سیاسی جوڑ توڑ کے سودے ہوئے اور مطلب آرائی کے خفیہ معاہدے کئے گئے۔ "تم پنجاب میں نون وزارت ختم کرنے میں مدد دو اور پنجاب کے فلاں وزیر کو مرکز سے نکلوا دو، ہم بنگالی کی حمایت کریں گے، مغربی پاکستان کو ایک نہیں ہونے دیں گے......" اس ملی بھگت نے کراچی میں آج اس وزیر کے خلاف مہم شروع کی تو کل دوسرے کے خلاف۔ اور لاہور میں کبھی اس سے نون کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک چلائی کبھی دوآل کے مرکز کے وزیر تھے کہ وہ اس سہم میں رہتے تھے کہ وہ آج ہیں تو شاید کل نہ ہوں۔ پنجاب وزارت تھی کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے اور اپنی مدافعت میں لگی رہتی تھی۔

نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ گورنر جنرل غلام محمد صاحب نے ۲۴ راکتوبر ۱۹۵۴ء کو اس بساط کو تہہ کر کے رکھ دیا۔ ملک بھر میں خوشی کے شادیانے بجے۔ پاکستان کے جاں بر ہونے کی امیدیں بیدار ہو گئیں۔ مایوس چہرے نئے مستقبل کے تصور سے تمتما اٹھے یہ کچھ ہوتا بھی کیوں نہ۔ ابنائے وقت و بندگانِ ہوس اربابِ سیاست کے خرقۂ سالوس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھرتی نظر آ رہی تھیں۔ پاکستان کی وحدت و سالمیت کے چرچے ہونے لگے اور یک رنگی و یک جہتی کے امکان پیدا ہونے لگے۔ مرکزی حکومت نے اپنے ماہرین کو وحدتِ مغرب کی تفاصیل طے کرنے پر مامور کیا تو انہوں نے دو تین ماہ میں یہ کار مہم سرانجام دے دیا۔ صوبائی اسمبلیوں نے ایک ایک کر کے اس فیصلۂ وحدت پر صاد کیا۔ حالانکہ انہی کے ارکان اس سے پہلے اس تجویز کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اس طرح ایک کمیٹی تسویدِ آئین کے لئے مقرر ہوئی۔ اس نے بھی کم سے کم وقت میں ایک مسودہ تیار کر لیا۔ ملک میں تذبذب کا دور ختم ہوتا جا رہا تھا اور یقین و اعتماد کی فضا پیدا ہو رہی تھی کہ پھر سے مرحب و عنتر اُٹھے۔ اس وقت پتہ چلا کہ میدان میں کوئی اسد اللہ نہیں۔ جسے دیکھئے جادوئے سامری کا ہلاک اور شیوۂ آذری کا قتیل ـــ اور کسی میں نہ کلیم کا سلیقہ نہ خلیل کا قرینہ۔

اس سے سپیدۂ سحرِ صبح کاذب میں تبدیل ہو گیا اور پھر سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھانے لگا۔ سندھ سے آواز اٹھی کہ آئین ساز کنونشن کے لئے صرف سندھی منتخب ہوں گے۔ سرحد نے کہا کہ ہم بھی کسی غیر سرحدی کا نام نہیں لیں گے۔ یہ وہی اسمبلیاں تھیں جو چند دن پہلے یہ بلند بانگ قرار دادیں پاس کر چکی تھیں کہ پاکستان جس مکروہ صوبائیت کا شکار ہو چکا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ صوبوں کو یک قلم ختم کر دیا جائے لیکن اس کا کیا علاج کہ صوبوں کی حدیں سطحِ ارض پر نہیں دل کی گہرائیوں میں تھیں۔ مٹی کی لکیریں مٹا دینے سے دل کی لکیریں

نہیں مٹ سکتیں۔ اس کے لئے ضرورت تو یہ ہے کہ ایسے دلوں میں چھری چبھو دی جائے۔ اور اگر پاکستان کو بہ حیثیت پاکستان باقی رہنا ہے تو ان دلوں میں ہی چھری نہیں چبھونا ہوگی بلکہ جن سینوں میں یہ دل ہیں ان سینوں کو خنجر سے شق کر دینا ہوگا۔

بہرحال باقی صوبوں میں صوبائیت کے دیو ناچ رہے تھے کہ پنجاب سے ہوا کا ٹھنڈا جھونکا آیا۔ پنجاب کی مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے نمائندے ان کو چنیں گے جنہیں مرکز نامزد کرے گا۔ ہم اس فیصلہ کو کسی نام نہاد جمہوری قاعدہ یا اصول کی روشنی میں نہیں دیکھتے۔ ہم مجبور ہیں کہ اسے پاکستان کی سالمیت اور وحدت کی میزان میں تولیں۔ جو فیصلہ اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے ہمارے نزدیک وہ صحیح ہی نہیں بلکہ اصح ہے اور بلا چون و چرا واجب الاحترام اور واجب التعمیل۔ اگر اس سے نام نہاد جمہوریت کی نفی ہوتی ہے تو ہمیں اس کا ذرہ بھر افسوس نہیں اور اگر اس سے بوئے آمریت آتی ہے تو ہم اسے مشام جان کی کشود کا سامان سمجھیں گے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کا بقاء تمام امور پر مقدم ہے بشرطیکہ ان امور میں کوئی چیز قرآن کے خلاف نہ ہو۔ جمہوریت کو ہماری بقا کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر اس "نظام" سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو ہمارے نزدیک وہ مردود و مطرود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پنجاب کے فیصلے کو ہوا کا ٹھنڈا جھونکا کہا ہے۔ کیونکہ اس وقت کہیں نہ کہیں سے یہ نعرۂ مستانہ بلند ہونا چاہیئے تھا کہ ہم اپنے امور کو پاکستانی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں گے اور نپٹائیں گے کیونکہ ہماری ملی زندگی کا دار و مدار پاکستان کی زندگی پر ہے۔ پاکستان باقی رہا تو ہم بھی باقی رہیں گے اور پاکستان ڈوبا تو ہم بھی غرق ہو جائیں گے اور وزارتوں اور عہدوں کی وہ ساری کرسیاں بھی گرداب ہلاکت کی نذر ہو جائیں گی جن کی خاطر اس وقت کتوں کی طرح لڑائی لڑی جا رہی ہے۔ یہ نعرۂ مستانہ پنجاب سے بلند ہوا لیکن، آہ، اس خمکدہ کی شراب بھی ہوا خوردہ نکلی۔ ادھر یہ قرارداد منظور ہوئی ادھر اندر اندر زلزلہ آ گیا۔ مرکز پر اعتماد کا اظہار کر کے اور وحدت کا نام لے کر ملک اور قوم کو دھوکا دینے والے ننگے ہو کر ناچ رہے تھے اور ان کے اندھے پن کا یہ عالم تھا کہ وزیر استعفیٰ دیئے ہیں تو وہ دستوروں اور قاعدوں کا اتنا لحاظ بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ استعفیٰ اپنے وزیر اعلیٰ کو دیں۔ وہ استعفے بھی دیتے ہیں تو براہ راست گورنر کو دیتے ہیں۔ اور یہ استعفے دیئے کیوں جا رہے ہیں؟ یہ کونسی قیامت آ گئی؟ آج تک تو ہم نے کسی اصول کی خاطر کسی وزیر کو استعفیٰ پیش کرتے نہیں دیکھا؟ یہ مداری کی پٹاری سے نئے نئے سانپ اس لئے نکل رہے ہیں کہ ہر ایک کو ڈر ہے کہ کہیں میری بجائے وہ نہ منتخب ہو جائے۔ کوئی کراچی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے، کوئی گورنر سے آس لگائے بیٹھا ہے اور ایک بھی اللہ کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ اس افراتفری، نفسا نفسی اور ہڑبونگ میں ملک کا کیا بنے گا؟

اور یہ بھی دیکھئے کہ یہ حامیان افتراق و دشمنان وحدت سب کے سب مسلم لیگ کے ارکان ہیں۔ اگر ان میں ملکی شعور اور ملی سلیقہ نہیں تو ان میں پارٹی ڈسپلن کا شائبہ تک بھی نہیں۔ ہم حیران ہیں کہ ان سے اپیل کریں تو کس نام پر اور واسطہ دیں تو کس کا؟ یہ خود سات سال سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے چلے آ رہے ہیں کہ مسلم لیگ قائد اعظم کا مقدس ترکہ ہے۔ لیکن انہیں کیسے بتایا جائے کہ اگر قائد اعظم کی مسلم لیگ پاکستان کو عدم سے وجود میں لائی تھی تو ان کی مسلم لیگ پاکستان کو وجود سے عدم کی طرف لیجا رہی ہے (ضمناً یہ واضح رہے کہ اگر مسلم لیگ ناکام ہو چکی ہے تو کوئی متبادل جماعت ایسی نہیں ابھری جس سے کچھ حسن ظن قائم کیا جا سکے۔) آج اگر قائد اعظم بھی کسی طرح ان اخلاف کو دیکھ لیں تو وہ یقیناً ان سے برأت اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔ لیکن قائد اعظم آنے سے رہے اور یہ اعلان بے تعلقی ہونے سے رہا۔ اس کا پتہ اس وقت چلے گا جب فطرت کے قانون مکافات کے مطابق ظہور نتائج کا وقت آئے گا۔ اور ان کی ایک ایک سیہ کاری ان کے سامنے آ جائے گی۔ اس وقت آپس میں بے کار باتوں پر لڑنے کو مقصود زندگی سمجھنے والے "قسطنطنیہ کے یہ پادری" روئیں گے اور کہیں گے

یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً

لیکن مشیت ایزدی نہ کسی کے رونے دھونے سے اپنا اصول بدلتی ہے نہ ان کے اپنے نتائج پیدا کرتی ہے۔ قوموں کی ہلاکت و تباہی متعین قانون کے مطابق عمل میں آتی ہے۔ اور جب تباہی اعمال کی بدولت مقدر ہو جاتی ہے تو فطرت یہ نہیں سوچتی کہ پاکستان کو چند دن اور جینے دو کیونکہ اس نے زندگی کے تھوڑے سے سانس ہی پورے کئے ہیں۔ وہ بڑی بڑی باجبروت قوموں کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتی ہے۔ آپ کس باغ کی مولی ہیں؟

ملک پر یہ عذاب مسلط کر کے اور اندر اندر سے اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے بعد یہ لیڈر سوچتے ہیں کہ ہمارے مسائل ملی طے کیوں نہیں ہوتے؟ کیوں لاکھوں مہاجرین زندگی اور موت کی جاں گسل کشمکش میں مبتلا ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مصنوعات ملکی تو بڑھتی جا رہی ہیں لیکن اہل ملک محروم تر ہوتے جا رہے ہیں؟ ایسا کیوں ہے کہ ہندوستان کشمیر کے معاملہ میں ہمیں منہ تک نہیں لگاتا۔ یا وقتاً فوقتاً مذاکرات کا چکر دے کر ٹکا سا جواب دے کر ہمارے بڑے سے بڑے لیڈر کو لوٹا دیتا ہے؟ پاکستان کیوں زندگی کی مصاف میں پھسڈی ثابت ہو رہا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان سوالوں کے جوابات کچھ مشکل نہیں۔ انہیں مشکل بنا رکھا ہے آپ لیڈروں کی خانہ جنگی اور سر پھٹول نے۔ کیا اس کے خاتمے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ ہم پنجاب کے قائدین سے نہایت دل سوزی سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو، رسول کا ادب نہ ہو، قرآن کا احترام نہ ہو، قائد اعظم کی عزت نہ ہو، نہ سہی، چھوڑیئے ان سب کو لیکن اتنا ہی سوچئے کہ آپ کو یہ مناصب ملے ہیں تو پاکستان کی بدولت، اور یہ باقی رہیں گے تو پاکستان کے دم سے باقی رہیں گے۔ آپ اپنی غرض کے لئے ہی سہی پاکستان کو برقرار رکھئے۔ اقبال نے جو کچھ خودی کے متعلق کہا تھا وہی آپ پاکستان کے بارے میں سمجھئے۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

باقی رہا یہ کہ ہمیں پاکستان کے استحکام و بقا کی اس قدر فکر کیوں ہے؟ تو ابتداءً اس لئے کہ کسی آزاد مملکت کا وجود اس کے رہنے والوں کے لئے باعث ہزار سرفرازی ہوا کرتا ہے اور ملک کی غلامی دنیا کی بدترین لعنت ہوتی ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ حضرات کی اس قسم کی سطحی مفاد پرستیوں سے اس مملکت کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور انتہاءً اس لئے کہ پاکستان وہ خطۂ زمین ہے جس میں ہم اس قرآنی نظام کے قیام کے امکانات دیکھتے ہیں جو نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے ایک مرتبہ عملاً متشکل ہوا تھا اور جسے دوبارہ دیکھنے کے لئے آسمان کی آنکھ اس وقت تک رقف انتظار ہے۔ لہٰذا یہ خطۂ زمین اور اس کی سالمیت ہمیں دنیا کی ہر چیز، حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اور ہر ایسی حرکت جس سے اس کی سالمیت پر کسی انداز سے بھی زد پڑتی ہو، ہمارے لئے زلزال قیامت سے کم نہیں ہوتی۔

کے توانم دید زاہد، جام صہبا بشکند
می پر در نگم حباب گر بدریا بشکند

شہری خطرہ

مثل مشہور ہے کہ کوئی عقلمند شخص اس شاخ کو اپنی طرف سے نہیں کاٹے گا جس پر وہ خود بیٹھا ہے۔ اسے اس حد تک صحیح سمجھا جاتا ہے کہ اس کے خلاف جانے والے کو فاتر العقل سمجھا جائے گا۔ لیکن جب اسی عقل کی بنا پر ایک معاشرہ متشکل ہو جائے تو پھر آپ ایک کونے سے دوسرے کونے تک نکل جائیے، ایک ایک شخص کو دیکھئے، آپ کو شاید ہی کوئی ایسا فرزانہ ملے گا جو اس خطرناک کھیل میں مصروف نہ ہو۔ شاخیں کٹ رہی ہوں گی، افراد گر مر رہے ہوں گے، لیکن کوئی نہیں سوچے گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ دراصل عقل کا تقاضا ہی یہی ہے بقول اقبال عقل

سود خود بیند نہ سود غیر

وہ اپنا نفع سوچتی ہے اور تندہی سے اس کے حصول میں لگ جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھتی کہ اس کی اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

جب ایک ٹہنی کٹتی ہے تو اس سے کاٹنے والے ہی کا جسم چور نہیں ہوتا اور بیسیوں کے انجر پنجر اس سے ڈھیلے ہوتے ہیں۔ طلوع اسلام نے متعدد تحریروں میں اس اصول کی شرح و بسط سے وضاحت کی ہے (تازہ اور مفصل کوشش "نظام ربوبیت" ہے) اور اب اس کے ثبوت کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے لیکن ایک چھوٹی سی مثال سے یہ پتہ چلے گا کہ عقل کے فساد کی گیرائی کہاں تک ہے۔ کراچی میں گلیوں اور سڑکوں پر جگہ بہ جگہ سوراخ ہیں جو زمین دوز نالیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان سوراخوں پر لوہے کے ڈھکن رکھے ہوتے ہیں تاکہ راہ چلتوں کے لئے کوئی خطرہ انتہا نہ رہے۔ یہ لوہے کے ڈھکن برسوں سے چرائے جا رہے ہیں۔

جس کی وجہ سے جابجا سوراخ ننگے ہو گئے ہیں۔ ان کے کھلے رہنے کی وجہ سے روح فرسا حادثات ہو چکے ہیں۔ مثلاً ایسا ہوا ہے کہ بچے کھیلتے کھیلتے ان میں گر گئے اور گندی نالی میں ڈوب کے مر گئے۔ بعض جگہ یہ سوراخ بدیں وجہ خطرناک تر ہو جاتے ہیں کہ نیچے سے گندہ پانی اُمڈ کر سڑک پر پھیل جاتا ہے اور سوراخ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ اس پانی میں جانے والے بچے بے خبری میں اس سوراخوں سے نالیوں میں بہ گئے۔

یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ چند افراد اپنی عقل کی رو سے سوچتے ہیں کہ مفت میں ہاتھ آئے لوہے کے ڈھکن بیچے جائیں تو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور یہ ہے بھی ٹھیک کیونکہ ان کو جتنے پیسے بھی میسر آجائیں وہ ان کا منافع ہے۔ ان کی قیمت خرید کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ٹھیک ہے کہ جہاں معاشرے کا ایک فرد پیسے رول رہا ہوتا ہے وہاں اس معاشرے کا دوسرا فرد شہر بھر کی سیال غلاظت میں ڈوب کر چرائے ہوئے ڈھکن کی قیمت ادا کر رہا ہوتا ہے۔

یہ وجہ تو اس جرم کے ارتکاب کی ہے۔ اور یہ جرم مرتکب ہوتا اس لئے چلا جاتا ہے کہ معاشرہ کے دوسرے افراد بالعموم عقل کی رو سے اپنے آپ کو یہ اطمینان دیئے رہتے ہیں کہ نہ تو چرایا جانے والا ڈھکن ان کا اپنا ہے اور نہ بدرو میں مرنے والا شخص ان کا کچھ لگتا ہے۔ عقل مفاد عاجلہ کا یہ فیصلہ تیار کرکے اس کی عظمت و ہیبت میں محو رہتی ہے اور نہیں دیکھتی کہ کس کی گندی نالیاں اس کی جیبوں کو کھوکھلا کئے جا رہی ہیں۔

جب معاشرہ میں یہ بحرانی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو قرآن اس کا حل یہ بتاتا ہے۔

ثم کان من الذین امنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ (۹۰/۱۷)

پھر انسان ان لوگوں میں سے ہو جائے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایسا معاشرہ پیدا کر لیا جس میں ہر فرد دوسرے کو گرنے سے بچائے اور سامان نشوونما بہم پہنچانے کی تلقین کرتا ہے

سارے معاشرے کو اس اصول پر ڈھالنا تو خیر بڑی بات ہے لیکن اگر افراد معاشرہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں اسے نافذ کرتے جائیں تو خاطر خواہ نتائج نکلنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ نالیوں کے ڈھکنوں کے سلسلہ میں اگر ہر علاقے کے رہنے والے اپنے آپ کو ان کا محافظ سمجھنا شروع کر دیں تو اس عظیم شہری خطرے کا بہت حد تک تدارک ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہونے سے رہا کہ ہر ڈھکن پر ہر وقت ایک پولیس کا آدمی پہرہ دیتا رہے لیکن محلہ دار رضاکارانہ نگہداشت بہت مشکل کام نہیں ہوگا! کراچی کارپوریشن نے بجا طور پر اہل شہر سے اپیل کی ہے کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ ہمیں توقع ہے کہ اہل شہر اپنی شہری ذمہ داریوں کو محسوس کرکے ایک عمدہ مثال قائم کریں گے۔

واضح رہے کہ ہم نے ڈھکن کے واقعات کو محض بطور مثال پیش کیا ہے، ورنہ ہمارے معاشرہ میں ہر جگہ اور ہر وقت سینکڑوں کام اسی انداز کے ہو رہے ہیں جن میں ایک شخص اپنے ایک پیسے کے ناجائز فائدے کے لئے ملت کا ہزاروں روپے کا نقصان اور سینکڑوں جانوں کا اتلاف کر دیتا ہے، اور اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

مودودی صاحب کو چیلنج

ہم نے طلوع اسلام کی اشاعت بابت ۱۴ر اپریل میں مودودی صاحب کی خدمت میں گزارش کیا تھا کہ وہ اپنی جماعت کو سمجھائیں کہ کسی کے خلاف ناحق تہمت تراشی شریفانہ مسلک نہیں ہے۔ اور انہوں نے طلوع اسلام کے خلاف بہتان باندھنے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اسے بند کریں۔ اور سیدھی طرح دلائل و براہین سے بات کا جواب دیں۔ لیکن ہمیں علم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ خود مودودی صاحب کے ایما اور منشا سے ہو رہا ہے اور وہ بھی اس مہم میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۱۵ر مئی کو جماعت اسلامی لاہور کے ہفتہ وار اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے (منجملہ دیگر امور جن کے متعلق ہم کسی دوسری نشست میں گفتگو کریں گے) فرمایا

> فتنہ انکار حدیث حکومت کی سرپرستی میں چل رہا ہے اور اس کا سارا کاروبار ان لوگوں کی توجہات کا مرہون منت ہے، جو حکومت میں دخل رکھتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ ایک طرف حکومت کی طرف سے سرکلر بھیجے جا رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کے لٹریچر کے پاس نہ پھٹکا جائے..... لیکن اس کے برعکس ایسے تمام عناصر کو سرکاری امداد دی جا رہی ہے جو مسلمانوں میں فکری انتشار پھیلانا چاہتے ہیں اور دین کے بنیادی تصورات پر کاری ضربیں لگا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودی نے طلوع اسلام اور ثقافت اسلامیہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ فوجی اور سول حکام میں کھلم کھلا ان چیزوں کو لیجایا جا رہا ہے۔
>
> (تسنیم۔ بابت ۱۷ر مئی ۱۹۵۵ء)

یہ بہت اچھا ہوا کہ مودودی صاحب نے طلوع اسلام کا نام کھل کر لیا۔ اس سے بات بالکل واضح ہو جائے گی (بشرطیکہ محترم مودودی صاحب کو اپنے کہے کا کچھ بھی پاس اور دیانت و شرافت کا کچھ بھی لحاظ ہے) ہم مودودی صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ ثابت کریں کہ

(۱) طلوع اسلام کو حکومت کی طرف سے کسی قسم کی امداد ملتی ہے (یا کبھی ملی ہے)

(۲) طلوع اسلام کو حکومت کی طرف سے فوجی اور سول حکام میں لے جایا جا رہا ہے۔ اور

(۳) طلوع اسلام کا کاروبار ان لوگوں کی توجہات کا مرہون منت ہے جو حکومت میں عمل دخل رکھتے ہیں۔

مودودی صاحب اس کا جو جواب بھی بھیجیں گے ہم اسے طلوع اسلام میں شائع کریں گے۔ ہم ملک کے سنجیدہ طبقہ سے درخواست کریں گے کہ وہ مودودی صاحب پر زور دیں کہ وہ طلوع اسلام کے خلاف عائد کردہ الزامات کو ثابت کریں۔ اور اگر وہ اس سلسلہ میں کوئی جواب نہ دیں، یا جواب دیں اور ان الزامات کو ثابت نہ کر سکیں تو ہم اس طبقہ سے دریافت کریں گے کہ وہ بتائے کہ جو شخص اس طرح دوسروں کے خلاف بہتان تراشی سے کام لے، سوسائٹی کو اس کے خلاف کچھ کرنا چاہیئے (کہ وہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے باز آجائے) یا اسے بلا باز پرس کے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ جس کے خلاف جو جی میں آئے کہتا چلا جائے؛ سوچئے کہ اس طرح اس معاشرہ میں کسی شریف آدمی کی عزت بھی باقی رہ سکے گی؟

"اخلاقی نامرد" کون ہے؟

۱۷ر مئی کے روزنامہ تسنیم میں "اخلاقی نامرد" کے عنوان سے حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے۔

> برکت علی محمڈن ہال میں حدیث کی اہمیت سنت اور حدیث کے فرق ان کے باہم تعلق اور فتنہ انکار حدیث پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مودودی نے فرمایا کہ ہماری مخالفت کرنے والے لوگ ایسے اخلاقی نامرد ہیں کہ سامنے آکر دلائل سے بات کرنے کے بجائے بھونڈے طریقوں سے مخالفانہ جدوجہد شروع کئے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے پاس دلیل سے قائل کرنے کی ہمت ہوتی تو یہ لوگ کھل کر سامنے آتے۔ ہماری بات سنتے اور اپنی سناتے، اپنی بات پیش کرتے اور ہمارے لٹریچر کو پیش کرنے کا موقعہ دیتے، لیکن انہیں خطرہ ہے کہ اگر لوگ یہ لٹریچر پڑھ گئے تو ہمارے فتنے نہ چل سکیں گے۔

پرانی باتوں کو تو چھوڑیئے۔ طلوع اسلام نے

(۱) اپنی ۲ر اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں "سنت رسول اللہ" کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ افتتاحیہ لکھا اور جماعت اسلامی سے بالخصوص درخواست کی کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اور اگر غلط ہے تو کس مقام پر، تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔

(۲) طلوع اسلام کی مذکورہ صدر اشاعت میں ہم نے محترم مودودی صاحب کی تحریروں پر مشتمل، قرآن و سنت کے موضوع پر ایک مفصل مقالہ شائع کیا اور جماعت اسلامی سے درخواست کی کہ وہ بتائیں کہ اس باب میں ہم نے کوئی غلط بات تو پیش نہیں کی۔

(۳) طلوع اسلام میں یہ درخواست شائع کرنے کے بعد، ہم نے محترم امین احسن صاحب اصلاحی اور نعیم صدیقی صاحب کی خدمت میں نجی خطوط لکھ کر ان کی توجہ اس طرف منعطف کرائی۔

(۴) جب ان کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہ آیا تو ہم نے ۱۶ر اپریل کے طلوع اسلام میں ان کی توجہ پھر اس طرف مبذول کرائی۔

(۵) ۳۰ اپریل کے شمارہ میں ہم نے اسے پھر دُہرایا۔

(۶) ۷ مئی کے پرچہ میں ہم نے محترم امین احسن اصلاحی اور عبدالغفار حسن صاحب سے درخواست کی کہ وہ سنت رسول اللہ کے متعلق اپنے مؤقف کو واضح فرما دیں۔

(۷) ۱۴ مئی کے طلوع اسلام میں ہم نے خود محترم مودودی صاحب سے درخواست کی کہ وہی اس طرف توجہ فرمائیں اور سُنّت رسول اللہ کے متعلق ہمیں ہماری غلطیوں سے متنبہ فرما دیں۔

ان میں سے کسی بات کا جواب اس وقت تک نہ ہمیں براہ راست موصول ہوا ہے اور نہ ہی جماعت اسلامی کے کسی جریدہ میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

اس کے بعد ہم محترم مودودی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ براہ کرم بتا دیں کہ کھل کر سامنے آنے اور دلائل و براہین سے بات کرنے کا اور کونسا طریقہ ہوتا ہے؟

اور ہم ملک کے سنجیدہ طبقہ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس باب میں (مودودی صاحب کے الفاظ میں) "اخلاقی نا مرد" کون ہے؟

مذاکرات کشمیر

وزیر اعظم پاکستان پنڈت نہرو سے مل کر واپس آگئے ہیں۔ وہ کیا کر کے آئے ہیں اس کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ دلی سے دونوں وزرائے اعظم کا جو مشترکہ اعلامیہ شائع ہوا ہے اس میں صرف اسی قدر مذکور ہے کہ کشمیر کے جملہ پہلوؤں پر غور کیا گیا اور یہ کہ دونوں وزرائے اعظم کی کی ملاقات دوبارہ ہوگی۔ اس ملاقات کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔

دلی میں کیا ہوا؟ اس کا ہمیں کچھ علم نہیں۔ خود وزیر اعظم نے کچھ نہیں بتایا۔ البتہ انہوں نے مذاکرات سے متعلق اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ جہاں کہیں سے کوئی خبر آئی ہے وہ مایوس کن ہے۔ دہلی کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان نے یہ بھی منظور کیا کہ ایڈمرل نمٹز ناظم استصواب نہ ہوں۔ یہ بھی کہ امریکہ سے فوجی امداد بند کر دی جائے گی۔ اور غیر جانبداری کی راہ اختیار کی جائے گی۔ اور یہ بھی کہ کشمیر کا مقدمہ اقوام متحدہ سے واپس لے لیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود پنڈت جی نہ مانے وہ مانتے بھی کیسے؟ وہ تو ایک بات مان سکتے ہیں اور وہ یہ کہ پاکستان اپنے آپ کو ان کے قدموں میں ڈال دے۔ ہمارے وزیر اعظم ابھی تک یہاں تک نہیں پہنچے۔ لیکن جس طریق سے وہ ۱۹۵۳ء سے اپنے "بڑے بھائی" کے سامنے رفتہ رفتہ ہتھیار ڈالتے جا رہے ہیں اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دو ایک ملاقاتیں اور ہوئیں تو یہ پیش کش بھی کر دی جائے گی۔

وزیر اعظم صاحب نے فرمایا ہے کہ دلی کانفرنس کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اور قریب سے دیکھ سکے ہیں۔ ہم وزیر اعظم صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ نے پنڈت نہرو کو واقعی قریب سے دیکھا ہے تو کیا پھر بھی آپ کی آنکھیں نہیں کھلیں؟ آپ یہ نہیں سمجھے کہ وہ کیوں چھ سال سے استصواب کو ٹالتے چلے آرہے ہیں؟ اور اب بھی کیوں وہ کسی معقول تجویز کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے؟ اگر یہ کچھ نہیں سمجھے تو خدا کے لئے کشمیر کے چالیس لاکھ مظلومین کے حال تباہ پر رحم کریں اور ان کو پنڈت نہرو کے قدموں پر بھینٹ چڑھانے سے باز رہیں۔

ہم وزیر اعظم کی خدمت میں باادب گزارش کریں گے کہ کشمیر ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر ہندوستان اس پر معقول بات کرنے اور سننے کے لئے تیار نہیں تو اس سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہ رکھا جائے۔ کشمیر کو تمام ہندی پاکستانی تنازعات پر فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ اگر ہندوستان دیگر معاملات میں مفاہمت پسندی کا ثبوت دیتا ہے تو اس سے کسی دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے مطالبہ کیجئے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ میں دیانتداری کا ثبوت دے اور جب تک کشمیر میں وہ معقولیت کا رویہ اختیار نہیں کرتا کسی اور مسئلے میں اس سے گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے ملک سے دوستی اپنے آپ سے دشمنی ہے جو ہماری شاہ رگ پر قابض ہے لیکن ہمیں جھوٹی تسلیاں دے رہا ہے۔

ہم وزیر اعظم سے یہ بھی گزارش کریں گے کہ وہ ازرہ کرم قوم کو صاف صاف بتائیں کہ دلی میں وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ اگر وہ قوم پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہیں قوم سے بھی جوابی تعاون کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ انہوں نے اپنے بیان میں پریس سے درخواست کی ہے کہ وہ ان سے کشمیر کے بارے میں تعاون کرے۔ ہم حیران ہیں کہ ہم سے کس قسم کے تعاون کی توقع کی جا رہی ہے؟ کیا ہم کشمیر کو ذبح ہوتا دیکھیں اور لب کشائی نہ کریں اگر تعاون سے مراد یہ کچھ ہے تو ہم مجبور ہیں کہ اس اپیل پر مطلقاً کان نہ دھریں۔ آپ اس قسم کا تعاون پتھروں سے لے سکتے ہیں، ذی احساس انسان سے نہیں۔

سوئی گیس کا استعمال

سوئی گیس قدرت کا ایک بے نظیر عطیہ ہے اور اگر اس کا مناسب استعمال کیا گیا تو پاکستان کی معیشت میں بجا طور پر ایک خوش آئند انقلاب کی توقع کی جا سکتی ہے قدرتی گیس ایندھن کا بدل ہی نہیں نعم البدل ہے۔ کیونکہ یہ باورچی خانوں، موٹر کاروں، ریل گاڑیوں، کارخانوں بجلی گھروں غرضیکہ جہاں کہیں کسی قسم کا ایندھن استعمال ہوتا ہے یکساں طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔ بعض جگہ تو یہ رائج ایندھن سے کہیں بہتر ثابت ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ بہت ارزاں ہے۔ سوئی کے مقام پر جب تین سال پیشتر قدرتی گیس دریافت ہوئی تو اندازہ لگایا گیا تھا کہ اس کا ذخیرہ ساٹھ سال تک کارآمد ہو سکے گا۔ بعد میں یہ اندازہ سو سال کا ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیس کا ذخیرہ بہت کافی ہے۔ لیکن اس کے استعمال میں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ایندھن کے معاملہ میں پاکستان کے ذرائع بہت محدود ہیں۔ لہذا یہ احتیاط برتنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس کا استعمال ایسے شعبوں میں ہو جہاں اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ملک کو پہنچ سکے۔ اب تک یہ انتظام کیا جا رہا تھا کہ کراچی کے کارخانوں کو گیس مہیا کی جائے اور ایک لائن کے ذریعہ اسے پنجاب میں پہنچایا جائے۔ اور یا تو پنجاب کے کارخانوں کو براہ راست گیس پہنچائی جائے یا اس گیس سے بجلی کے کارخانے چلا کر کارخانوں کو بجلی مہیا کی جائے۔ یہ گیس کا موزوں ترین استعمال ہے کیونکہ اس سے پاکستانی مصنوعات کی لاگت کم ہو جائے گی۔ (واضح رہے کہ ہمارے کارخانوں کو ایندھن پر کثیر صرفہ کرنا پڑتا ہے) اور اس کا عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اٹلی سے ماہرین آ رہے ہیں جو اس گیس کے ریلوں میں استعمال کا جائزہ لیں گے۔ یہ بھی ایک معقول تجویز ہے۔ ہمارے ہاں ریلوے سفر کافی گراں ہے۔ لہذا اگر مہنگے کوئلے یا تیل کی بجائے سستی گیس کا استعمال شروع ہو جائے تو ریلوے سفر غریب عوام کے لئے سستا بنایا جا سکتا ہے اس کے ساتھ یہ بھی خبر ہے کہ اٹلی کے ماہرین سے یہ بھی استصواب کیا جائے گا کہ کیا پٹرول کی بجائے موٹر کاروں میں گیس کا استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایسا استعمال اٹلی میں ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے کاروں کا خرچ ایک تہائی کم ہو جاتا ہے۔ اگر کاروں کا خرچ ایک تہائی کم ہو جائے تو اس سے "اصحاب کار" یقیناً خوش ہوں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا گیس کے صرف کی وہ تمام جگہیں ختم ہو گئی ہیں جو قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ہیں؟ کاروں کے متعلق یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محض امیروں کے استعمال کی چیز ہے، اس سے غریبوں کا کوئی بھلا نہیں ہوگا۔ عوام کا فائدہ اس میں ہے کہ کاروں کی بجائے گیس کو لاریوں اور بسوں میں استعمال کیا جائے تاکہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک اور شہروں کے اندر سفر آسان اور سستا ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ بڑے بڑے شہروں میں بسیں اور موٹر کاریں اس کثرت سے بڑھ رہی ہیں کہ ٹریفک کا انتظام بھی بڑا مشکل ہو گیا ہے اور حادثات بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ یورپ میں اس چیز کو محسوس کیا جانے لگا ہے کہ ٹریفک کے ہجوم اور بڑھتے ہوئے حادثات کو قابو میں لانے کے لئے بسیں زیادہ کی جائیں اور کاریں کم ظاہر ہے کہ اگر بسوں کا سفر اطمینان بخش ہو جائے تو کاروں کی طرف توجہ کم ہو جائے گی۔ اور اس طرح کاروں پر صرف ہونے والا روپیہ بہتر مصارف کی طرف منتقل ہو سکے گا۔

تاریخی شواہد

(۱)

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ (۷/۶۶)

اس پر قوم کے مرفہ الحال لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، کہا کہ ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو۔

اس کے جواب میں حضرت ہودؑ نے فرمایا

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ○
فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (۷/۶۷-۶۹)

ہودؑ نے کہا "بھائیو! میں احمق نہیں ہوں۔ میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں۔ میں اس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں، اور یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرنے والا ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تمہیں میں سے ہے؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت و توانائی بخشی۔ پس چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تاکہ ہر طرح کامیاب ہو۔

ان آیاتِ جلیلہ میں دو تین باتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ پہلے تو یہ کہ نشۂ دولت و حکومت میں سرمست انسان دعوت الی الحق کو کس طرح نفرت و استہزاء سے ٹھکراتا ہے إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ اور إِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ پر غور کیجئے۔ تمرد و سرکشی کی بدمستیاں کس طرح جھلکتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ پھر مقابلہ میں جواب دیکھئے اس قدر متانت و سنجیدگی کا مظہر ہے۔ شکن بجبیں نہیں۔ کف بدہاں نہیں۔ تن بر آتش نہیں۔ گالی کا جواب (معاذ اللہ) گالی نہیں۔ کوئی اوچھا پن نہیں۔ سفاہت نہیں۔ اپنے مقام بزرگ و بلند پر پہاڑ کی طرح محکم کھڑے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی دعوت کی صداقت پر غیر متزلزل یقین ہے۔ قرآن کریم نے حضرات انبیاء کرامؑ کی مخالفت کا اکثر و بیشتر ذکر کیا ہے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ قوم مخالف کے جدال و قتال کی نسبت، ان کی طرف سے تکذیب و استہزاء کا ذکر بڑا نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ جدال و قتال بھی اپنے مقام پر آزمائش کی گھاٹیاں ہیں۔ لیکن ایک داعی و مصلح کی راہ میں تکذیب و تحقیر کی منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔ عام انسانوں پر نگاہ ڈالئے۔ وہ بالعموم بڑی بڑی کٹھن مشکلات کا سامنا کر لیں گے۔ لیکن جونہی ان پر کسی نے تنقید (CRITICISM) کی یا ان کا استہزاء (RIDICULE) کیا۔ ان کی بات کو جھوٹا بتایا۔ ان کی دعوت کا مذاق اڑایا تو وہ فوراً آپے سے باہر ہو گئے اور پھر اس کے بعد ایسی چوکڑی بھولے کہ حصول مقصد و نصب العین کے لئے تگ و تاز کے بجائے، اسی تنقید و تنقیص کی خاردار جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گئے۔ استہزاء و تنقیص کے مرحلہ میں دامنِ ضبط و استقامت کو ہاتھ سے نہ دینا، فی الواقعہ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ہے اور آسمانی انقلاب ربوبیت کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے۔ سردارانِ قوم کی اشتعال انگیز تنقیص پر نگہ ڈالئے اور اس کے بعد حضرت ہودؑ کے متین و سدید جواب پر، حقیقت واضح ہو جائے گی۔

دوسری چیز وہی ذہنِ انسانی کی عجوبہ پسندی! یعنی قوم کو حیرت و استعجاب اس امر پر ہے کہ انہی جیسا ایک انسان (رَجُلٌ مِّنكُمْ) اور دعوائے رسالت! قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (۱۴/۱۰) (انہوں نے کہا کہ تم تو محض ہمارے جیسے ہی ایک انسان ہو) اور کوئی مافوق الفطرت چیز بھی تمہارے پاس نہیں "مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ" (۱۱/۵۳) اس لئے

مَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○ (۱۱/۵۳)

تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور نہ ہی تمہاری بات مان سکتے ہیں۔

پھر وہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھے اور کہا کہ تم جو (معاذ اللہ) اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو تو اس کا سبب ہماری سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں آتا کہ تم نے جو ہمارے دیوی دیوتاؤں کی تکذیب کی ہے تو تم پر ان میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ (۱۱/۵۴)

ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں، وہ تو یہ ہے کہ تمہارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے (اسی لئے تو اس طرح کی باتیں کرنے لگا ہے)

یہ جگر سوز طعن و تشنیع دیکھئے اور پیغمبرانہ جواب ملاحظہ فرمایئے کہ

قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ (۱۱/۵۴)

ہودؑ نے کہا "میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو، کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے مجھے ان سے کچھ سروکار نہیں۔ میں ان سے سراسر بیزار ہوں۔

⁂

یہاں تک توشۂ قوت و دولت کی سرمستیوں کے مظاہرے تھے۔ اب دنیائے معتقدات اور اس کی جذبات پرستی کی طرف آیئے! یعنی وہی ساز کہن کہ چونکہ تمہاری دعوت اس مسلک کے خلاف ہے جو ہم میں آباء و اجداد سے متوارث چلا آ رہا ہے اس لئے ہم اس دعوت کی تکذیب کرتے ہیں! وہی اسلاف پرستی اور وہی قدامت پسندی!

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (۷/۷۰)

انہوں نے کہا۔ کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کر لیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے آئے ہیں۔

اسلاف پرستی اور کورانہ تقلید کے اس ادعاء کے جواب میں حضرت ہودؑ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس میں اربابِ فکر و نظر کے لئے حکم و بصائر اور معارف و حقائق کی ہزار داستانیں مستور ہیں۔ فرمایا:

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ (۷/۷۱)

جس کی بناء پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو اس کی حقیقت کیا ہے؟ فقط اتنی کہ وہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گھڑ لئے ہیں اور جن کے لئے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری!

اس چھوٹے سے ٹکڑے پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ کتنی عظیم الشان حقیقت اس کے اندر منعکس ہے۔ یہ روایتی عظمت اور موروثی تقدیس کیا ہے؟ فقط اس قدر کہ ابتداء میں جہالت اور توہم پرستی سے کوئی عقیدہ قائم ہو گیا۔ جس کا کچھ نام رکھ لیا گیا۔ جب وہ دو چار نسلیں متوارث چلا آیا تو اس کی کہنگی، وجہ تقدس ہو گئی۔ اور وہ نام دل کی انتہائی گہرائیوں میں اس طرح جاگزیں ہو گیا کہ عقل و بصیرت کی کوئی دلیل اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی۔ ایک پتھر، پہاڑ کے کسی گوشے میں پڑا ہے تو فقط پتھر ہے، لیکن اسے کسی چبوترہ پر الگ نصب کر کے اس کا کچھ نام رکھ دیجئے۔ اس نام کی ترویج دو تین نسلوں تک مسلسل ہو جائے تو پھر دیکھئے کہ یہ حقیر کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ اس کی روایتی عظمت دلوں میں اس طرح نقش ہو جاتی ہے کہ اس کے تحفظ کے لئے انسانی خون کی بھی کوئی قیمت نہیں سمجھی جاتی اور اس طرح وہی پتھر جو "گمنامی" کے ایک گوشے میں پڑا تھا قلوب و نگاہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ حالانکہ چشم حقیقت بیں کے نزدیک محض نام رکھ دینے سے اس کی ماہیت اور حقیقی قدر و قیمت (INTRINSIC VALUE) میں کچھ فرق نہیں آ گیا۔ اب اس خارجی دنیا سے ہٹ کر ذرا اپنے دماغ کے بت کدہ کو ٹٹولئے اور دیکھئے کہ اس میں کتنے "پتھر" ایسے رکھے ہیں جن کی قدر و قیمت کے متعلق آپ کے پاس سوائے اس کے کوئی دلیل و شہادت نہیں کہ ان کے نام کی عظمت نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلی آتی ہے اور محض قدامت کی بناء پر ان ناموں میں شانِ تقدس پیدا ہو چکی ہے۔ دیکھئے کہ یہ نام آپ کے نزدیک کس قدر مقدس بن چکے ہیں کہ ان کے خلاف آپ ایک لفظ تک سننا نہیں چاہتے۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قدر و قیمت کے پرکھنے کے لئے کیا معیار مقرر فرمایا ہے۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مَا نَزَّلَ اللَّهُ

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

اسلام کی سرگزشت

گزشتہ اشاعتوں میں عربوں کے دیگر اقوام اور ممالک کے ساتھ دینی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات، صحرا ات پر متمدن عرب مملکتوں کے قیام، عرب میں یہودیت و نصرانیت کے فروغ کے بعد عربوں کے قومی خصائل اور امتیازات سے بحث کی جا چکی ہے اور علمائے عمرانیات کی آراء کا خلاصہ پیش کیا جا چکا ہے۔ آج کی فرصت میں ابن خلدون اور اولیری کی آراء پر احمد امین صاحب کا تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے

ابن خلدون نے — اپنی دقت نظر کے باوجود — عربی اوصاف کی صحیح حد بندی نہیں کی۔ اس وجہ سے ان کی باتوں میں کھلا ہوا اضطراب نظر آتا ہے۔ کہیں ان کا قول پڑھتے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بادیہ نشین عرب کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جو قطعاً متمدن نہ ہو۔ کہ وہ عمارتوں اور اور محلات کو اس لئے ڈھا دیتا ہے کہ اس کے پتھروں سے اپنا چولھا بنا کر اس پر ہانڈی چڑھا سکے اور مکانات کی چھتیں گرا دیتا ہے تاکہ اس کی لکڑیاں اپنے خیموں میں استعمال کر سکے۔ اس قسم کی باتیں ایک انتہائی بادیہ نشین پر ہی منطبق ہو سکتی ہیں۔ نہ کہ اس متمدن عرب پر جو اموی اور عباسی دور حکومت میں ہمیں ملتا ہے۔ اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ وہ عربوں کا یوں تذکرہ کرنے لگتے ہیں کہ نو آبادیاں قائم کرنے میں انھیں صحیح جگہ کے انتخاب کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ جیسا کہ کوفہ اور بصرہ کو آباد کرنے میں انھوں نے ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ گفتگو ایک انتہائی قسم کے بادیہ نشین عرب کے متعلق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ عرب ابتدائے اسلام کے وہ عرب ہیں۔ جنھوں نے روم اور فارس کو فتح کیا تھا۔ عرب جو نئے شہر آباد کر رہے تھے۔ یقیناً وہ عرب تو نہیں ہو سکتے محلات کو ڈھا ڈھا کر ان کے پتھروں سے اپنے چولھے بنایا کرتے تھے۔ پھر ابن خلدون کہتے ہیں کہ عرب لوگ علم کے میدان میں کوئی نمایاں کام انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آزاد شدہ غلام اس میدان میں بھی پیش رو تھے۔ یہ بات بھی عرب کے بادیہ نشینوں یا ابتدائے اسلام میں عربوں سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی دور عباسیہ یا آخر دولت امویہ سے متعلق ہے۔ پھر ابن خلدون اپنی ان تمام باتوں کی تردید خود ہی اپنے مقدمہ میں یوں کہہ کر کر دیتے ہیں کہ عربوں میں طبعی طور پر متمدن بننے اور ساتھ کے رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے والوں سے استفادہ کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ "اس قسم کی باتیں عربوں کو اس وقت پیش آئیں۔ جب انھوں نے فتوحات حاصل کیں اور ایران و روم کے ممالک پر قابض ہو گئے۔ اور ایرانی اور رومی لڑکیوں اور لڑکوں سے خدمت لینے لگے۔ اس وقت تک لوگ کسی طرح کے تمدن اور حضارت سے آشنا نہیں تھے اس قسم کی حکایات ملتی ہیں کہ ان کے سامنے چپاتیاں لائی گئیں تو وہ انھیں کاغذ کے ٹکڑے سمجھے۔ کسریٰ کے خزانوں میں انھیں کافور مل گیا۔ تو انھوں نے اسے نمک سمجھ کر اپنے آٹے میں ڈال لیا۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن جب انھوں نے اپنے سے پہلے ارباب حکومت و دولت کو اپنا غلام بنا لیا۔ اور ان سے اپنی ملکی اور خانگی ضرورت میں کام لیا۔ اور ان ضروریات کے لئے ان غلاموں میں سے ماہرین اور منتظمین کا انھوں نے انتخاب کیا۔ تو انھوں نے ان کو سکھایا کہ ان معاملات کی تدبیر و انتظام کس طرح کرنا چاہیئے۔ اور اس کے کیا کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہ لوگ ان امور میں انتہا تک پہونچ گئے۔ اور حضارت و تمدن کے بلند ترین مقامات تک انکی رسائی تھی، اور کھانے پینے، پہننے آلات، اسلحہ، فرش، فروش، اور برتنوں کے انتخاب اور تیاری میں وہ عمدہ سے عمدہ چیزیں بنانے اور استعمال کرنے لگے

یہاں سے تم نے دیکھ لیا کہ ابن خلدون عربوں پر حکم لگانے میں مختلف ادوار کے عربوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اور پھر ان کے متعلق عام احکام صادر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ انھیں خود بھی اس کا اعتراف بھی ہے کہ عرب لوگ مختلف حالات کے ماتحت بدلتے سدلتے رہے ہیں۔

اس کے بعد اولیری کو لیجئے — وہ کہتے ہیں کہ "عربی شخص کا تخیل ضعیف اور جذبات جامد ہوتے ہیں۔" عربوں کے تخیل کو ضعیف قرار دینے کا منشا شاید یہ ہو کہ جو شخص عربوں کے اشعار پر غور کرتا ہے۔ اسے ان میں قصصی اور تمثیلی اشعار کا کوئی نشان نہیں ملتا اسے وہاں طویل و عریض جنگ نامے نظر نہیں آتے۔ جو کسی قوم کے مفاخر و محاسن کا قصر بلند تعمیر کرتے ہیں۔ جیسے ہومر کا ایلیڈ اور فردوسی کا شاہنامہ — نیز اہل عرب کا تخیل آج کے عہد جدید میں بھی افسانے اور ڈرامے تصنیف کرنے میں کسی بلند خیالی اور نکتہ آفرینی کا ثبوت پیش نہیں کر سکا۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بالخصوص اس خاص قسم میں عربوں کا تخیل واقعی قاصر رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ لٹریچر کی یہ قسم تخیل کا محض ایک مظہر ہے تخیل کا پورا مظہر یہی نہیں ہے۔ فخر، اظہار شجاعت، غزل، تعریف، مدح تشبیہ، مجاز اور اس قسم کی تمام چیزیں بھی تخیل ہی کے مختلف مظاہر ہیں عربوں نے ان موضوعات پر اتنا کچھ کہا ہے کہ دیکھنے والے کی نگاہیں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ ان میں تخلیق و اختراع کے نمونے بہت کم مل سکتے ہیں۔

پھر غزل کے عشقیہ مضامین، ٹیلوں اور آبادیوں کا رونا۔ ایام و حوادث کی یاد۔ وہ مضامین جن میں انھوں نے اپنے شعور و وجدان کی تصویر کشی کی ہے۔ یا اپنی بے چینی اور اضطراب کی تصویریں کھینچی ہیں۔ عربوں کے اشعار میں بھری پڑی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں جامد جذبات سے تو صادر نہیں ہو سکتی تھیں رہ گئی جاحظ کی رائے۔ تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ علمائے عمرانیات کی اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس نہ علم تھا نہ فلسفہ۔ نہ ایسی کتابیں جو عہد قدیم سے وراثتاً چلی آ رہی ہوں مگر ساتھ ہی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ قدرت نے عربوں کو اس کے معاوضے میں دو واضح اور خصوصی امتیازات عطا فرمائے تھے۔ طلاقت زبان اور حاضر دماغی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں خصوصیتیں عربوں میں بہت ہی نمایاں ملتی ہیں۔ اس اعتراف کے لئے کہ قدرت کی طرف سے انھیں طلاقت زبان اور حاضر دماغی کا نادر عطیہ بخشا گیا تھا۔ ان ادبی سرمایوں پر ایک نگاہ ڈال لینا ہی کافی ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس تمام بحث سے شاید یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ عربوں کے بارے میں ہماری اپنی کیا رائے ہے۔ وہ اپنے زمانۂ جاہلیت اور پھر زمانۂ اسلام میں عقلی اور خلقی ارتقاء کے اعتبار سے ایک ہی درجہ میں نہیں تھے۔ اب ہم صرف جاہلی عربوں کے اوصاف بیان کرنے پر اختصار کرتے ہیں۔

عرب لوگ عصبی مزاج کے آدمی ہیں۔ جنھیں غصہ بہت جلد آ جاتا ہے۔ اور ان کا غصہ معمولی سی چیز کے لئے بھڑک اٹھتا ہے پھر جب غصہ بھڑک اٹھتا ہے۔ تو کسی ایک حد تک نہیں ٹھہرتا۔ اور جب اس کی عزت مجروح کی جائے۔ یا اس کے قبیلہ کی عزت پر کسی قسم کا حرف لایا جائے۔ تو اس کے غصہ کا ہیجان شدید ترین ہوتا ہے جب اس کا غیض و غضب بھڑکتا ہے تو وہ تلوار کی طرف دوڑتا اور اسی سے اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ خصوصیت ایسی تھی کہ جنگوں نے انھیں فنا کر کے رکھ دیا تھا۔ اور جنگ ان کا ایک نظام زندگی بن گئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جنگ ہی دن رات ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گئی تھی۔

عادتاً عصبی مزاج کے لوگوں میں ذکاوت و فطانت کافی پائی جاتی ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ عرب لوگ بہت ذہین و فطین تھے۔ ان کی یہ ذکاوت ان کی زبان کے مطالعہ سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ باریک سے باریک فرق اور بعید تر اشارات بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی ان کی ذکاوت کا مظاہرہ ان کی حاضر دماغی میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان کی حاضر دماغی کا یہ عالم ہے کہ یکایک کوئی معاملہ پیش آ جاتا ہے تو یکایک وہ اس کا بہترین جواب بھی دے دے گا۔ لیکن عربوں کی یہ ذکاوت خلق اختراع کی قسم کی نہیں ہوتی۔ وہ ایک ہی مضمون کو مختلف قالبوں میں مختلف طریقوں پر ڈھالتا ہے۔ مضامین کی اختراع و تخلیق سے کہیں زیادہ ان کے بات کہنے کے مختلف انداز ہائے بیان تمہاری عقل کو محو حیرت کر دیں گے۔ اگر تم چاہو تو تم یوں کہہ سکتے ہو کہ ان کی زبانیں ان کی عقلوں سے کہیں زیادہ ماہر واقع ہوئی ہیں

اقبال اور قرآن
از پرویز
قیمت: دو روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

(تفہیم)

مشکل یہ ہے کہ میرے گرد و پیش جو حلقہ ہے اور جو میرے پیغام کا مخاطب ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کی زندگی میں کہیں حرکت کا نام و نشان تک نہیں اور میں ہمہ تن اضطراب ہوں۔

قلزمِ یاراں چو شبنم بے خروش　　شبنمِ من مثلِ یم طوفاں بدوش

ان کا سمندر بھی شبنم کی طرح ساکت و صامت۔ اور میری شبنم کا بھی یہ عالم کہ ہزار طوفانوں کو اپنے دل میں سموئے ہوئے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ احباب میرے اس پیغام سے متاثر نہیں ہو سکتے اور دوسری وجہ یہ ہے (بلکہ یوں سمجھئے کہ اس کا دوسرا گوشہ یہ ہے) کہ

نغمۂ من از جہانِ دیگر است　　ایں جرس را کاروانِ دیگر است

میرا نغمہ کسی اور دنیا سے متعلق ہے۔ یہ میرے ان احباب کی دنیا کی چیز ہے ہی نہیں۔ میری جرس کسی اور قافلہ کے لئے بانگِ درا بن سکتی ہے۔ یہ زندگی اور حرکت سے محروم، کاروانِ خفتہ اس کی آواز رحیل سے کس طرح جادہ پیما ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ کچھ صرف میرے ساتھ ہی مختص نہیں۔

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد　　چشمِ خود بربست و چشمِ ما کشاد

رخت باز از نیستی بیروں کشید　　چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

کتنے ہی شعراء ایسے گزر چکے ہیں کہ ان کی "پیدائش" ان کی موت کے بعد ہوئی۔ انہوں نے ہماری آنکھ اس وقت کھولی جب اپنی آنکھ بند کر لی۔ جب وہ اس عالمِ موجود (دنیا) سے عالمِ عدم (موت) میں چلے گئے تو وہاں سے انہوں نے پھر اپنا رختِ سفر باندھا اور اپنے مزار کی خاک سے اس طرح اُٹھ کھڑے ہوئے جس طرح خاک میں پامال شدہ بیج سے پھول اُگ آتا ہے۔ یعنی جب تک وہ جیتے رہے نہ کسی نے ان کی بات سنی۔ نہ اس کا اثر قبول کیا۔ لیکن جب وہ اس دنیا سے چلے گئے تو لوگوں کو ہوش آیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ کتنا بڑا پیغام دے گئے ہیں۔ اُس وقت انہوں نے اسے سمجھنا اور اس سے اثر پذیر ہونا شروع کیا۔ اس طرح گویا ان کی موت کے بعد ان کی اصل زندگی شروع ہوئی۔ یہ کچھ اس سے پہلے اوروں سے بھی ہو چکا ہے (جن میں غالب کی مثال ہمارے سامنے ہے) اور یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوگا۔ میں بھی غالب کی ہم نوائی میں یہی کہونگا کہ

قدرِ شعرِ من بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

یہ اس لئے ہے کہ انقلابی رستخیز دنیا کا معمول نہیں ہے۔ اس قسم کی حرکت اور حرارت جس میں ذہن، ندرتِ فکر و عمل کو بنظرِ تحسین دیکھنے کے لئے آمادہ ہوں، کبھی کبھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ انقلابی دور گاہے ماہے آیا کرتے ہیں۔

کارواں ہا گرچہ زیں صحرا گذشت　　مثلِ گامِ ناقہ، کم غوغا گذشت

اس صحرائے دنیا میں ہزاروں قافلے آئے لیکن وہ اس طرح خاموشی سے آگے بڑھ گئے جس طرح ریت میں اونٹنی کا پاؤں بالکل بے آواز پڑتا اور اٹھتا ہے لیکن میری حالت ان سے جداگانہ ہے۔

عاشقم فریاد ایمانِ من است　　شورِ حشر از پیش خیزانِ من است

میں تو عاشق ہوں اس لئے چپ رہنا میری فطرت کے خلاف ہے اور آہ و نالہ اور شیون و فریاد میرا ایمان ہے۔ اور آہ و نالہ بھی اس انداز کا کہ جسے تم شورِ حشر کہتے ہو وہ میرے خدمت گزاروں میں سے ہے۔

نغمہ ام زاندازۂ تار است بیش　　من نترسم از شکستِ عودِ خویش

میرے رگ و پے میں جو نغمہ پوشیدہ ہے، وہ میرے پیکرِ ہستی کے تاروں کے انداز سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ان تاروں میں سما ہی نہیں سکتا۔ وہ ان سے باہر آنے کے لئے بیتاب ہے ایسا بے تاب اور اس قدر شدید کہ وہ ان تاروں کو توڑ کر باہر آ جائے گا۔ اور مجھے اس کا قطعاً کوئی خوف نہیں کہ اس سے میرا ربطِ ہستی خود ٹوٹ جائے گا۔ یہ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹے۔ میں اس کی حفاظت کے لئے یہ تو کرنے سے رہا کہ اس نغمہ کو تاروں سے باہر نہ آنے دوں یا اگر اسے باہر لاؤں تو اس طرح پابندیاں عائد کرتا ہوا کہ اس سے مجھے کچھ ضعف نہ پہنچے۔ اس لئے کہ نغمہ ریزی تو میرا ایمان ہے اور ایمان کے مقابلہ میں جان کی کچھ حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ بنا بریں اگر یہ سوزِ دروں میرے پیکرِ ہستی کو پھونکتا ہے تو پھونک دے۔ میں اس کی خاطر اس آتشِ خاموش کو شعلۂ جوالہ بننے سے نہیں روک سکتا۔ اور جب اس باب میں مجھے خود اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تو میں اس کی شدت میں اس لئے کمی کیوں کر دوں کہ دوسرے اس کے متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ جو کم ظرف اس کا متحمل نہیں ہو سکتا وہ اس کے پاس ہی کیوں آتا ہے۔

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

لہٰذا

قطرہ از سیلابِ من بیگانہ بہ　　قلزم از آشوبِ او دیوانہ بہ

میرے وفورِ شوق میں وہ اضطراب انگیزیاں پنہاں ہیں کہ اس سے سمندر بھی اپنی تلاطم خیزیوں سے دیوانہ ہو جائے۔ یہ سیلاب اگر سمندر میں جا ملے تو اس میں دیوانگی پیدا کر دے۔ جس سیلاب کا یہ عالم ہو، بیچارے قطرۂ ناچیز کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اس سیلاب سے بیگانہ رہے۔ وہ اس کے جوش کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ میرا پیغام کم مایگان کے لئے ہے ہی نہیں۔

در نمی گنجد بجو عمانِ من　　بحرہا باید پئے طوفانِ من

میرا بحرِ عمان، ایک چھوٹی سی ندی کے اندر سما نہیں سکتا۔ ندی تو ایک طرف، اس کا طوفان سنبھالنے کے لئے ایک آدھ سمندر بھی کافی نہیں۔ اس کے لئے بہت سے سمندر چاہئیں۔ اسی لئے اقبال کی دعا یہ تھی کہ

مے من از تنک جاماں نگہ دار
شراب پختہ از خاماں نگہ دار
شرر از نیستانے دور تر بہ
بخاصاں بخش از عاماں نگہ دار

غالب کے الفاظ میں ؎

نہ لا سکے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو!

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق
محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا
مجموعہ
اقبال اور قرآن
قیمت دو روپے
ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۲۱۳۔ کراچی

عورت کا قرآن

(۱۴)

(۳) وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا
وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ
وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي
كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ
وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ○

(فاطر رکوع ۴)

اور جو لوگ کفر و انکار کرتے ہیں ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جہاں ان کو نہ تو موت ہی آسکے گی کہ مرجائیں اور نہ وہ جہنم کا عذاب ہی اُن پر سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہمارے قانون کے مطابق ہر کفر و انکار کرنے والے کو ایسے ہی نتائج پیش آیا کرتے ہیں اور وہ لوگ جہنم میں چلائیں گے کہ "اے ہمارے پروردگار! ہم کو اب نکال لے۔ ہم اب برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے، صلاحیت بخش کام کریں گے"۔ جواب ملے گا کہ "کیا ہم نے تم کو اتنی عمر دی نہ تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ اس میں سمجھ سکتا؟ اور تمہارے پاس بدعملی اور انکار کے نتائج سے ڈرانے والے پیغمبر بھی تو پہنچے تھے۔ سو اب اعراض کا مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ○ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ○ مِّنَ
اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ○ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ
كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ○ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ○
إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ○ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ○ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ
كَالْمُهْلِ ○ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ○ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ○
يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ○
وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ○ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ○ وَمَن فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ○ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ○ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ○ تَدْعُو
مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ○ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ○ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ
هَلُوعًا ○ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ○ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ○
إِلَّا الْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ○ وَالَّذِينَ
فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ○ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ○ وَالَّذِينَ
يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ○ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم
مُّشْفِقُونَ ○ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ○ وَالَّذِينَ
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ○ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ○ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رَاعُونَ ○ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ○ وَالَّذِينَ هُمْ
عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ○ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ○

(معارج ۱ع)

"ایک سائل اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے؛ اور جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں؛ اور جو اس اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو بڑی بلندیوں کا مالک ہے۔ ملائکہ اور الروح پچاس ہزار سال کے بقدر زمانہ (period) خدا کی طرف بلند ہوتے رہتے ہیں۔ سو اے پیغمبر! تم صبر کرو اور وہ صبر، صبر جمیل ہو۔ یہ لوگ اس دن کو بہت دور سمجھ رہے ہیں۔ اور ہم اس کو بالکل ہی نزدیک دیکھ رہے ہیں۔ جس دن آسمان تیل کے تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اور اس دن کوئی دوست اپنے دوست کو نہ پوچھے گا۔ باوجودیکہ وہ ایک دوسرے کو دکھلا بھی دیئے جائیں گے۔ اس دن مجرم لوگ چاہیں گے کہ عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، بھائی کو بلکہ پورے اس کنبے کو جس میں وہ رہتا تھا، بلکہ تمام اہل زمین کو، اپنے فدیہ میں دیدے۔ مگر یہ ہوگا نہیں۔ اس کے لئے تو بس صرف آگ ہوگی۔ ایسی آگ جو لپک دیتی ہوگی۔ جو بدن سے ان کی کھال اتار دے گی جس نے میرے حکموں سے اعراض کیا ہوگا۔ جس نے مجھ سے بے رُخی کی ہوگی اور جس نے مال اکٹھا جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا (اور مفادِ عام کے لئے اس کو کھلا نہیں چھوڑا ہوگا) واقعی انسان بڑا کم ہمت ہے جب تکلیف پہنچتی ہے تو گریہ وزاری کرنے لگتا ہے اور جب فارغ البالی ہوتی ہے تو پھر بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر ہاں وہ لوگ جو نظامِ صلوٰۃ کے پابند ہیں اور اپنی صلوٰۃ کو پابندی سے ہمیشہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جن کے ناموں میں ضرورت مند اور محروم لوگوں کا ایک مقررہ حصہ ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ جو مکافاتِ عمل کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں، واقعی ان کے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے کہ جن کے بارے میں کوئی ملامت نہیں ہے، پھر جو ان کے علاوہ کا طلبگار ہو، تو یہی لوگ حد سے تجاوز ہو جانے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور جو صحیح صحیح گواہیاں دیتے ہیں اور جو اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں ایسے لوگ بڑے اعزاز کے ساتھ باغات میں داخل کئے جائیں گے

---

(۱) وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ○ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ
عَلَيْكَ حَسِيبًا ○ مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن
ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا　(بنی اسرائیل رکوع ۲)

"اور ہم نے ہر انسان کا عمل، اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں گے جس کو وہ واضح طور پر دیکھ لے گا۔ کہ یہ اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے، آج تو خود اپنا آپ محاسب کافی ہے۔" بات یہ ہے کہ جو شخص ہدایت کے راستے پر چلتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے چلتا ہے۔ اور جو شخص بے راہروی اختیار کرتا ہے سو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اسی لئے ہم کسی قوم کو سزا بھی نہیں دیا کرتے جب تک اس میں ہم کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے ہیں۔

(۲) وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا
(طٰہٰ ع۶)

اور اس سے پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اُن سے غفلت ہو گئی اور ہم نے اُن میں عزم کی پختگی نہ پائی۔

(۳) وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ　(بقرہ رکوع ۱۵)

اور جب امتحان کیا ابراہیم کا اس کے پروردگار نے چند باتوں میں، تو وہ پورا اترا

نوادرات { علامہ اسلم جیراجپوری کے مضامین کا مجموعہ　قیمت چار روپے

سب سے پہلے اور سب سے بڑے مفسّر

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری

(از علامہ تمنّا عمادی مدظلہٗ)

(۳)

ابن جریر کے پردادا

ایک ترکیب دو ابن جریر بنانے کی اور بھی سوچی گئی تھی۔ وہ یہ کہ ابن جریر کے دادا جن کا نام رستم تھا۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا اسلامی نام یزید رکھا گیا۔ تو فقط رستم اور یزید کا فرق دکھا کر دو ابن جریر پیدا کرنے سے ایک کے دو ہونے کا یقین دوسروں کو نہیں پیدا کرایا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ لوگ حقیقت حال سمجھ جاتے کہ رستم ہی کا اسلامی نام یزید تھا۔ رستم و یزید دو شخص نہ تھے بلکہ ایک ہی تھے۔ اور یہی اصل واقعہ بھی ہے۔ اس لئے یزید کے بعد بھی دو ایک اسلامی نام تصنیف کر دیئے جائیں۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یزید کوئی نو مسلم نہ تھا بلکہ اس کے اوپر کے لوگ بھی مسلمان تھے۔ اس پہلو پر محمد بن اسحٰق بن الندیم نے بھی غور کیا۔ اور دوسروں نے بھی غور کیا۔ مگر باہمی مشوروں سے ان پر غور نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے غور کرنے والوں کے نتیجۂ غور میں اختلاف ہو گیا۔

ابن اسحٰق ندیم نے یزید کے باپ کا نام خالد تجویز کر کے اپنی کتاب الفہرست میں ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری لکھا۔ مگر ان کو اس کی خبر نہ تھی کہ نجاشی وغیرہ نے بھی اس پہلو پر غور کیا تھا۔ اور ابن جریر کے پردادا ہی نہیں سردادا کا نام بھی تصنیف کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب لکھا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ المامقانی نے تنقیح المقال میں اس کو نقل کیا ہے اور پھر ندیم نے جو اپنی فہرست میں یزید بن خالد لکھا ہے۔ اس کو بھی نقل کر دیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابن اسحٰق ندیم نے ابن جریر بن یزید بن خالد جو لکھا ہے۔ وہ ابن جریر بن یزید کے خلیفہ راشد ابوالفرج المعافا بن زکریا والنہروانی کی روایت سے لکھا ہے۔ محمد بن اسحٰق الندیم کا سال ولادت تو معلوم نہ ہو سکا مگر انھوں نے اپنی کتاب الفہرست میں ایک جگہ ۳۷۷ھ میں لکھنے کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان ج ۵ ص ۷۲ میں لکھا ہے اور معافا بن زکریا النہروانی ابن جریر مفسر متوفی ۳۱۰ھ کے پیروؤں میں ضرور تھے۔ مگر ان کی وفات ۳۹۰ھ میں ہوئی (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۰۰) یعنی ابن جریر کی وفات کے پورے اسّی برس کے بعد۔ یقین ہے کہ انھوں نے ابن جریر کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اور یہ خود بھی متشیع ہی تھے۔ اسی لئے انھوں نے خود بھی وضو میں مسح رجلین کی فرضیت پر ایک کتاب لکھی تھی (جس کی بنیاد صرف کوفی شیعوں کی من گھڑت روایتوں ہی پر تھی) اس لئے یوں بھی ان کی روایت مشتبہ ہے پھر جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ معافا کو یہ کس سے معلوم ہوا کہ ابن جریر کے پردادا کا نام خالد تھا۔ اس وقت تک صرف ابن ندیم کا لکھ دینا ہرگز قابل وثوق نہیں۔ ابن ندیم کا سال ولادت و وفات معلوم نہیں مگر ابن حجر لسان المیزان میں ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب "الفہرست" میں ایک جگہ ۳۷۷ھ کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اس طرح جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت الفہرست لکھ رہے تھے، مگر بقول ذہبی یہ ۳۷۷ھ سے فہرست لکھ رہے تھے۔ معافا بن زکریا سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے باہمی مشورے سے ابن جریر کے پردادا کا نام خالد تصنیف کیا ہو۔ اور ابن یزید بن کثیر بن غالب تو اس کے من گھڑت ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی کوئی سند ہی اس کے لکھنے والوں میں سے کسی نے نہیں پیش کی ہے کہ یہ کس ذریعے سے معلوم ہوا اور بالفرض ایسا ہو بھی تو ممکن ہے رستم کمسن ہوں اور ان کے باپ جوان ہوں اور ان کے دادا بوڑھے ہوں، اور تینوں نے ساتھ ساتھ اسلام قبول کیا ہو۔ رستم کا نام یزید رکھا گیا۔ رستم کے باپ کا نام کثیر اور کثیر کے باپ کا نام غالب رکھا گیا ہو، اس لئے اس سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ یزید ہی رستم نہ تھے۔ اگر یزید کے باپ کا نام کثیر اور دادا کا نام غالب تھا جب بھی ہو سکتا ہے کہ یزید کا پہلا نام رستم ہی ہو۔ اور اسلامی نام یزید رکھا گیا ہو۔ اور کثیر و غالب کے نام بھی پہلے کچھ اور ہوں اور یہ اسلامی نام ہوں۔ شاید کثیر کا نام نوآل ہو اور غالب کا جاہلی نام سام ہو۔ جبھی تو پوتے کا نام رستم تھا۔

ایک نیا شگوفہ

عبداللہ المامقانی نے ایک نئی بات سوچ کر یہ نکالی کہ ممکن ہے کہ ابن جریر مفسر کی ماں بنی جریر سے ہوں۔ یعنی ابو جعفر جو ابن جریر کہے جاتے ہیں۔ وہ ننھیالی تعلق کی وجہ سے ہو۔ جریر کے یہ بیٹے نہ ہوں بلکہ نواسے ہوں۔ کیونکہ یہ آمل کے رہنے والے جب تھے تو آمل تو خاص شیعوں کا مرکز تھا۔ ان کو بھی شیعہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ ان کا مولد آمل ہی میں ہے یہ شیعہ نہیں ہیں، کیونکہ نجاشی، طوسی، بہاءالدین عاملی وغیرہم اکابر محدثین شیعہ ان کو سنی ہی کہتے آئے ہیں۔ اور سنی علمائے رجال بھی سنی ہی کہتے ہیں۔ صرف ہلکا پھلکا شیعہ لکھتے ہیں۔ اور آمل کا رہنے والا ہلکا پھلکا شیعہ کیوں ہونے لگا۔ اس کو تو بھاری بھرکم شیعہ ہونا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آمل میں ابن جریر بن یزید کی صرف ننھیال تھی۔ مگر یہ ددھیال کے اثر سے سنی بنے رہے؛ جب یہاں تک بات بنا سکتے تھے تو علامہ مامقانی کو لازم تھا کہ ان کی ایک ددھیال بھی تصنیف فرما دیتے۔ اور پھر باپ کا نام بھی کوئی گھڑ دیتے۔ کیونکہ اب تو وہ یزید و کثیر و غالب سب کے سب اجداد فاسدہ ہی میں داخل ہو گئے۔ یہ پہلی مثال علامہ مامقانی صاحب نے پیدا کی ہے کہ ایک اتنا بڑا مشہور و معروف امام تفسیر و تاریخ صرف اپنے ننھیالی ہی اجداد فاسدہ کی طرف منسوب ہو کر کئی پشت تک متعارف ہو۔ اور اس کے باپ دادا پردادا کا کوئی ذکر اس کے نام کے ساتھ نہ کیا جائے اور نہ کسی کو اس کے باپ، دادا، پردادا کا نام معلوم ہو۔

ایک زبردست شہادت

معجم البلدان ج ۱ ص ۶۳ میں شہر آمل کا ذکر کرتے ہوئے یاقوت حموی صاحب معجم نے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا مولد آمل ہی میں تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی لئے ابوبکر محمد بن العباس الخوارزمی نے کہا ہے جو آملی الاصل تھے (جن کی وفات کتاب مراۃ الجنان ج ۲ ص ۴۱۶ میں ۳۸۳ھ میں لکھی ہے اور ۷۶ برس کی عمر پائی تھی۔ یہ ابن جریر کے شاگرد بھی تھے)

بآمل مولدی وبنو جریر — فاخوالی ویحکی المرء خاله
فها انا رافضی عن تراث — وغیری رافضی عن کلاله

یعنی آمل میں میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے — میرے ماموں ہیں اور ہر شخص ماموں کے مشابہ ہوتا ہے
تو سن رکھو کہ میں وراثۃً رافضی ہوں — اور میرے سوا جو رافضی ہے کلالۃً یعنی دور کے لگاؤ سے رافضی ہے

اس کے بعد یاقوت حموی صاحب معجم البلدان نے فرمایا کہ وہ جھوٹا تھا۔ ابن جریر ہرگز رافضی نہ تھے گرچہ حنبلیوں نے ان کے ساتھ حسد کر کے ان کو رافضی مشہور کر دیا۔ اس اتہام کو اس خوارزمی نے غنیمت سمجھا اور لگا اس پر فخر کرنے، حقیقت یہ ہے کہ وہ خود رافضی بدزبان و بدکلام تھا"۔

یاقوت حموی صاحب کی پیدائش کا سال تو معلوم نہیں۔ مگر سال وفات ۶۲۶ھ ہے۔ ابن جریر کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ یعنی حموی کی وفات سے ۳۱۶ برس پہلے، اور محمد بن العباس الخوارزمی ابن جریر کا خود بھانجا ہے اور شاگرد بھی۔ وہ اپنے ماموں اور استاد کے عقیدہ و مذہب سے حموی سے زیادہ واقف ہو سکتا ہے، یاقوت حموی جو ۳۱۶ برس کا فاصلہ ابن جریر سے رکھتے ہیں۔ جن کو ابن جریر سے دور کا بھی کوئی لگاؤ نہیں۔ وہ کیا حق رکھتے ہیں کہ ابن جریر کے بھانجے کو ابن جریر کے حالات بیان کرنے میں جھوٹا کہیں۔ خصوصاً جب وہ بھانجا بھی ہو اور شاگرد بھی ہو۔

اسی طرح علامہ حافظ ابو حیان محمد بن یوسف کی ولادت ۶۵۴ھ اور وفات ۷۴۵ھ میں ہے یہ ابن حجر کے شیخ الشیوخ تھے۔ اور ابن حجر کی ولادت ۷۷۳ھ میں اور وفات ۸۵۲ھ میں تھی۔ اس لئے ابن حجر کے شیخ الشیوخ نے جو ابن جریر کے متعلق اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "امام من ائمۃ الامامیۃ" یعنی یہ مذہب امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔ تو بلاوجہ محض حنبلیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یا علامہ سلیمانی کے مغالطے میں آ کر نہیں لکھ گئے تھے۔ بلکہ علی وجہ البصیرت انھوں نے لکھا تھا۔ ابن حجر کو کوئی حق نہ تھا کہ اپنے شیخ الشیوخ پر غلط فہمی وغیرہ کا الزام دیں۔

اور اسی طرح علامہ سلیمانی حافظ احمد بن علی کی ولادت ۳۲۱ھ میں اور وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی تھی۔ یعنی ابن جریر کی وفات کے صرف گیارہ برس کے بعد یہ پیدا ہوئے تھے۔ سلیمانی کے والد نے تو یقیناً ابن جریر کا کافی زمانہ پایا ہوگا۔ ابن جریر کے کتنے تلامذہ کو علامہ سلیمانی نے دیکھا ہوگا۔ بلکہ ان سے ملے ہوں گے۔ اور ابن جریر کے حالات سنے ہوں گے۔ علامہ سلیمانی میں ابن جریر سے کسی طرح بھی نہ تھی کہ معاصرانہ چشمک ان کے ساتھ رکھتے ہوں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ علامہ سلیمانی

کی متعصبانہ رائے کو کسی غلط فہمی کا نتیجہ کہا جائے، خصوصاً جب ان کی رائے کی تصدیق خود ابن جریر کا سگا بھانجا کر رہا ہو اور پھر ابن جریر کی تصنیفات سے بھی ہو رہی ہو۔

مگر ذہبی جن کی ولادت ۶۷۳ھ میں اور وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی۔ یعنی ابن جریر کی وفات کے تین سو تریسٹھ برس کے بعد جو پیدا ہوئے تھے۔ اور ابن حجر جن کی ولادت ۷۷۳ھ اور وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی۔ یعنی جو ابن جریر کے وفات کے چار سو تریسٹھ برس کے بعد پیدا ہوئے تھے علامہ سلیمانی کی شہادت صادقہ اپنے شیخ الشیوخ حافظ ابن حبان کی شہادت واضحہ اور پھر خود ابن جریر کے بھانجے کی زبردست گواہی، سب کو بلا دلیل ٹھکرا دیتے ہیں اور اپنی روایت پرستی کی کھوکھلی دیوار پر غلط حسن ظن کا پشتہ لگائے رہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ خود ابن جریر کے ذاتی حالات جن کا ذکر یہ لوگ خود کرتے ہیں۔ ان کے حسن ظن کے پشتے پر کلہاڑیاں چلائے جا رہے ہیں۔ یعنی ابن جریر کے حمایت کرنے والے ائمہ رجال خود ان باتوں کا اعتراف کر رہے ہیں کہ

۱۔ وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کے ابن جریر قائل تھے۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔

۲۔ طلاق کا فتویٰ شیعہ مذہب کے مطابق انھوں نے دیا تھا۔

۳۔ خم غدیر والی حدیث (جو شیعوں کی من گھڑت ہے اس) کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی۔

۴۔ امامت کے منصوص من اللہ ہونے کا عقیدہ خاص شیعوں کا ہے۔ اسی عقیدے پر مذہب امامیہ کی بنیاد ہے۔

ابن جریر نے اس (خلاف قرآن) عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مسترشد نام کی ایک کتاب لکھی تھی۔

یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن کا اعتراف فریقین کے متعدد ائمہ رجال کو ہے۔ اور ان میں سے ہر بات ایسی ہے جو ان تین شہادتوں کے ساتھ جو علامہ سلیمانی، شیخ الشیوخ حافظ ابن حبان اور ابن جریر کے بھانجے محمد بن العباس الخوارزمی نے دیں، ابن جریر کو شیعہ امامیہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان تین شہادتوں کے ساتھ ساتھ وہ چاروں باتیں جب پائی جا رہی ہوں تو پھر ابن جریر کے شیعہ امامیہ ہونے میں کون سی کسر باقی رہ جاتی ہے؟

چونکہ اس وقت ابن جریر پر کوئی مستقل مضمون نہیں لکھ رہا ہوں۔ اور جتنا لکھ گیا ہوں وہی بہت طول ہو گیا۔ اور اہل انصاف کے لئے اتنی تفصیل ابن جریر کے شیعہ تسلیم کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ اب اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اگرچہ میرے پاس ابھی ابن جریر کے متعلق اور بھی کچھ باتیں ہیں جنھیں میں پیش کر سکتا ہوں۔

ایک شبہے کا ازالہ

البتہ ایک دوست نے مدت ہوئی یہ لکھا تھا کہ ابن جریر کی توثیق سلف سے خلف تک تمام اکابر اہل سنت کرتے رہے صرف علامہ سلیمانی و شیخ الشیوخ حافظ ابن حبان کی جرح تمام اکابر اہل سنت کے مقابلہ میں قابل تسلیم نہیں۔ اس کے متعلق میں نے اسی وقت لکھا تھا جس کو یہاں بھی نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مگر اختصاراً

ابن جریر کی توثیق ان کے ہم عصر ائمہ حدیث میں سے یا ان کے کچھ بعد والے اکابر محدثین میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔ صحاح ستہ کے جامعین سب کے سب ان کے معاصر تھے۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی وفات کے وقت ابن جریر ۳۲ برس کے تھے۔ امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ کے وفات کے وقت ابن جریر ۳۷ برس کے تھے۔ ابو عبداللہ بن ماجہ القزوینی متوفی ۲۷۳ھ کی وفات کے وقت وہ ۴۹ برس کے تھے۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ کی وفات کے وقت ۵۱ برس کے تھے۔ اور محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی وفات کے وقت ۵۵ برس کے تھے اور ابو عبدالرحمٰن بن اشعث النسائی متوفی ۳۰۳ھ کی وفات کے وقت تو ۷۹ برس کے تھے۔ کیا ان اکابر محدثین میں سے کسی نے ان کو صرف "ثقہ" بھی لکھا! "یکتب حدیثہ" بھی کسی نے لکھا؟

اب رہے خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ و مولدہ ۳۹۲ھ سو انھوں نے نہ ابن جریر کو دیکھا نہ ابن جریر کے شاگردوں کو دیکھا۔ صرف ابن جریر کی تصنیفات دیکھ کر اگر ابن جریر کو بہت بڑا عالم، ماہر اختلافات، قرأت، واقف ناسخ و منسوخ اور حافظ احادیث وغیرہ لکھا۔ تو صحیح لکھا ان باتوں سے تو کسی کو بھی انکار نہیں مگر ان کے بہت بڑے عالم، بہت بڑے ادیب، اور بہت بڑے مؤرخ و حافظ احادیث وغیرہ ہونے سے ان کی ثقاہت کہاں سے ثابت ہو گئی۔ خطیب نے ان کو حجت و سند اور ثقہ و ثبت وغیرہ تو لکھا نہیں۔ اس لئے خطیب بغدادی کی تحریر سے ابن جریر سند و حجت اور ثقہ و ثبت نہیں ثابت ہو سکتے۔

باقی رہا ابن خالویہ حسین بن احمد کا یہ کہنا کہ مجھ سے ابن خزیمہ[1] نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے تفسیر ابن جریر لکھی ہے! تو میں نے کہا کہ میں نے ابن جریر سے املاء لکھی ہے (یعنی وہ بتاتے گئے اور میں لکھتا گیا) سات برس میں اس کی تکمیل کی تو مجھ سے ابن خزیمہ نے وہ تفسیر مستعار لی اور کئی سال بعد واپس کی اور کہا کہ میں نے اول سے آخر تک دیکھی۔ روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا عالم میں کسی کو نہیں سمجھتا۔ اور حنابلہ نے بے شک ان پر ظلم کیا (یہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حنبلیوں نے ابن جریر کو شیعہ اور گمراہ اور کذاب مشہور کر رکھا تھا اور دوسروں کو ابن جریر سے ملنے سے منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم)

تو یہ روایت ابن خالویہ حسین بن احمد سے ہے اور ابن خالویہ کے متعلق خود ابن حجر لسان المیزان ج۲ ص۲۶۷ میں لکھتے ہیں کان اماميا عالما بالمذهب .... وقد قرأ ابو الحسين النصيبي وهو من الامامية عليه كتابه في الامامة یعنی ابن خالویہ شیعہ امامیہ تھے اس مذہب کے عالم تھے اور ابوالحسین النصیبی نے جو شیعہ امامیہ تھے ان سے ان کی وہ کتاب پڑھی تھی جس کو انھوں نے مسئلہ امامت پر لکھا تھا۔ ۳۷۰ھ یا ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے اگر ابن خالویہ شیعہ نے ابن جریر شیعہ کی حمایت میں ایک روایت ابن خزیمہ کی طرف جھوٹی منسوب کر دی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ شیعہ راویوں کا تو یہ ہمیشہ معمول رہا ہے۔

ابن خالویہ شیعہ کے ایک استاد ابوبکر بن مجاہد جو ایک مشہور قاری تھے۔ ان کے متعلق جو ابو علی الطوماری سے ایک روایت ابن حجر نے لکھی ہے کہ ابوبکر بن مجاہد نے کہا کہ "میرا ایمان ہے کہ اس قرأت سے قرآن پڑھنے والا اللہ نے ابن جریر سے اچھا نہیں پیدا کیا"۔ تو یہ بھی ابن جریر کی توثیق نہیں ہوئی۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ابن جریر کی خود ساختہ من گھڑت جو خاص قرأت تھی۔ اس کے مطابق کوئی دوسرا قرآن کا پڑھنے والا ان سے اچھا نہ ہوگا۔ اور نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہی تو اپنی خاص قرأت کے مصنف تھے اور ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ جو قرأت خاص ابن جریر کی تصنیف تھی۔ اس کو بے شک ابن جریر دوسروں سے بہتر ہی ادا کرتے ہوں گے۔

مگر اس روایت کے راوی ابو علی الطوماری ہیں۔ جن کے متعلق کسی نے یہ تو نہیں لکھا ہے کہ شیعہ تھے۔ مگر انداز ان کے شیعہ راویوں کی طرح ضرور تھے۔ خود ابن حجر لسان المیزان ج۴ ص۲۴۹ میں ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ائمہ رجال ... نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ چونکہ یہ بغیر کسی اصل کے روایت کیا کرتے تھے۔ مگر ابن حجر نے ان کی بے اصل روایتوں کی کوئی مثال نہیں پیش کی۔ میں نے اس کی ایک مثال پیش کر کے ابن حجر کی تصدیق کئے دیتا ہوں۔ کہ یہ طوماری بشر بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ مگر دنیائے رجال میں بشر بن موسیٰ کوئی بھی نہیں ہے۔ البتہ بشار بن موسیٰ ضرور تھے۔ مگر وہ نہایت مجروح تھے۔ اس لئے ان سے روایت کرنے والے ہمیشہ ان کا نام چھپانے کے لئے ان کو بشر بن موسیٰ ہی کہتے اور لکھتے رہے۔ تو اگر یہ دیکھ کر کہ امام احمد بن حنبل و ابو حاتم الرازی و ابو القاسم البغوی جیسے اکابر محدثین ان سے روایت کرتے ہیں اور سب ان کو "بشر بن موسیٰ" ہی کہتے ہیں۔ غریب طوماری نے بھی ان سے روایت کرنی شروع کر دی۔ "بشر بن موسیٰ" ہی کہہ کر تو ابو علی طوماری پر کوئی الزام نہیں۔ یہ، وہ حمام ہے جس میں سب ننگے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ "بشار بن موسیٰ" جن کو بشر بن موسیٰ کہتے ہیں ان کی وفات ۲۲۸ھ میں ہے۔ اور ابو علی طوماری کی ولادت بقول ابن حجر ۲۶۰ھ میں ہوئی تھی۔ یعنی بشر بن موسیٰ کی وفات کے ۳۲ برس کے بعد۔ یہ مشکل کسی طرح آسان ہوتی نظر نہیں آتی۔ بیچارے طوماری کو معلوم نہ تھا کہ بشر بن موسیٰ ان کی ولادت سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔ دیکھا کہ میرے بعض ہم عصر ان سے روایت کر رہے ہیں۔ تو انھوں نے بھی کچھ حدیثیں ان کی طرف منسوب کر کے روایت کر دیں۔ بس انھیں طوماری صاحب کا ابوبکر بن مجاہد کا وہ قول مروی ہے۔ اگر صحیح مانئے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ابن مجاہد نے طنزیہ انداز میں کہہ دیا ہوگا۔ ابن جریر کی مخصوص قرأت کی طرف اشارہ کر کے کہ اس

---

[1] ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کی ولادت ۲۲۳ھ میں ہوئی تھی۔ یعنی ابن خزیمہ ابن جریر سے ایک برس بڑے تھے اور ابن خزیمہ کی وفات ۳۱۱ھ میں یعنی ابن جریر کی وفات کے ایک برس بعد ہوئی۔ اور ابن خالویہ کی وفات ۳۷۰ھ میں ہے۔ ولادت کا سال اور عمر معلوم نہیں۔ ابن خزیمہ نیشاپوری تھے۔ اس لئے یہ بھی عجمی ہی تھے۔ اگر یہ ابن جریر کو ثقہ و حجت سمجھتے تو ضرور ابن جریر سے حدیثیں سنتے۔ دونوں ہم سن ہی تھے۔ اور ابن خالویہ ہمدانی و حلبی سے زیادہ ابن خزیمہ کو ابن جریر سے ملنے ملانے کے مواقع حاصل تھے۔

قرات سے تو قرآن کو پڑھنے والا ابن جریر سے اچھا اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا ہوگا۔ ورنہ بجز ابن ممکن ہے کہ یہ بھی طوماروں کے طومار کذب و افترا میں سے ایک ہو۔ مگر اس سے بھی تو ابن جریر ثقہ و ثبت اور سند و حجت نہیں ثابت ہوتے۔

غرض شیعہ حضرات نے یا بعض مجروح و مشتبہ اشخاص نے ابن جریر کی کچھ محض معمولی سی تعریف کردی۔ تو اس سے وہ ثقہ و حجت و سند نہیں ثابت ہو سکتے۔ اور نہ علم و فضل و وسعت علم و مہارت ادب و تاریخ سے وہ حجت و سند ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہاں بحث ابن جریر کے علم و فضل و مہارت ادب و تاریخ سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کی دیانت و امانت اور ان کی صداقت و وثاقت یہاں زیر بحث ہے۔ اور اس کے متعلق علامہ حافظ سلیمانی و شیخ الشیوخ ابن حبان اور خود ابن جریر کے بھانجے اور شاگرد محمد بن العباس الخوارزمی کی شہادت کے مقابل ذہبی و ابن حجر یا ان کے جیسے متاخر محدثین کے بلا دلیل غلو بغیر الحق کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاسکتی اور حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا کہ، ان کا ترجمہ ان کے ہم عصر اور بعد والے ائمہ نقل نے لکھا ہے کسی نے بھی ان کو نقص سے متصف نہیں کیا: بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ابن جریر نے ان کے کسی ہمعصر کی تحریر نہیں پیش کی۔ ائمہ صحاح ستہ میں سے کسی کا قول نہیں لکھا۔ لے دے کر ابن خزیمہ کا قول پیش کیا۔ تو ایک شیعہ ہی کی روایت سے۔ ابن عساکر ہرگز ان کے ہم عصر نہ تھے۔ ان کا بھانجا ضرور ہم عصر تھا۔ واہل البیت ادری بما فیہ۔

اور سب سے زیادہ مکمل تصدیق حافظ سلیمانی و شیخ ابن حبان کی ابن جریر کی تفسیر اور تاریخ ہی سے مل سکتی ہے۔ کیونکہ مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ بشرطیکہ غلو اور تعصب کی عینک اتار کر ان کتابوں کو دیکھا جائے۔ اور خلفائے راشدین کی تعریف اور ان کے فضائل کی حدیثیں جو ان میں کچھ مروی ہیں۔ ان سے دھوکا نہ کھایا جائے کہ یہ کتاب زمانہ اجمال کی تصنیفیں ہیں جب کہ شیعوں نے اپنے فرقہ کو اہل سنت سے علانیہ طور پر بالکل الگ نہیں کر لیا تھا۔ اس وقت شیعے تقیہ و کتمان کا برقعہ اوڑھے رہتے تھے۔ اور اپنے تشیع کو چھپانے کے لئے حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہی نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی فضائل و مناقب اہل سنت کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اس لئے اہل سنت محدثین ان کو بے تعصب اور سچا سمجھ کر ان کی دو سن گھڑت حدیثیں بھی قبول کر لیتے تھے۔ جن کے شہد میں زہر ملا ہوا ہوتا تھا۔ اور وہ حسن ظن کی وجہ سے اس شہد کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے تھے۔

غرض یہی ابن جریر طبری ہیں۔ جن کی تفسیر ہماری تمام مفسرین کا ماخذ ہے۔ اس لئے ہماری تفسیروں میں اگر قرآنی آیات کے سیاق و سباق کے خلاف بھی بعض باتیں نظر آئیں۔ تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً جب تفسیری حدیثوں کے راوی زیادہ تر ایسے ہی اشخاص ہیں۔ جن کے کذب و افترا، کا اعتراف خود محدثین کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۱۲۴ ترجمہ جویبر بن سعید البلخی الکوفی میں لکھتے ہیں۔

قال ابو قدامۃ السرخسی / قال یحیی القطان تساهلوا فی اخذ التفسیر عن قوم لا یوثقونهم فی الحدیث ثم ذکر الضحاک وجویبراً ومحمد بن السائب وقال هؤلاء لا یحمل حدیثهم ویکتب التفسیر عنهم یعنی ابو قدامہ سرخسی نے کہا کہ یحیی بن سعید القطان (امام فن رجال و حدیث) نے کہا کہ لوگوں نے تفسیری روایتیں قبول کرنے میں تساہل سے کام لیا کہ ایسی جماعت سے وہ تفسیری روایتیں لیتے رہے جن کو حدیثوں کے قبول کرنے کے وقت قابل وثوق نہیں سمجھتے تھے۔ پھر انھوں نے ذکر کیا کہ ضحاک بن مزاحم، جویبر بن سعید اور محمد بن السائب الکلبی کا۔ اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی حدیثیں برداشت نہیں کی جاتیں۔ مگر ان کی تفسیری روایتیں لکھ لی جاتی ہیں۔ یہ جویبر بن سعید الکوفی وہ ہیں۔ جن کے متعلق ابن حجر فن رجال و حدیث کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ یہ گئی گذری حدیثوں والے تھے۔ غیر ثقہ تھے۔ الٹی پلٹی حدیثیں روایت کرتے تھے۔ متروک الحدیث تھے وغیرہ ذالک۔ ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان دنیا سے سدھارے۔

ضحاک بن مزاحم الخراسانی الکوفی۔ یہ کوفیوں کے سوا اور کسی سے کچھ روایت نہیں کرتے تھے الا ماشاء اللہ۔ البتہ متعدد صحابہؓ سے بلا واسطہ روایت کرتے تھے۔ حالانکہ کسی صحابی کو کبھی دیکھا تک نہ تھا حضرت عبداللہ بن عباس سے تفسیری حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ کوئی واقفکار پوچھتا تھا کہ تم نے یہ حدیثیں ابن عباس سے خود سُنی ہیں؟ تو کہتے تھے نہیں۔ بلکہ ہم نے فلاں فلاں سے سنیں مگر اپنے کوئی نام لدہ ابو جناب الکلبی الکوفی جیسوں سے کہتے تھے کہ میں ابن عباس کے ساتھ سات برس تک رہا ہوں۔ ۱۰۵ھ میں ان کی وفات ہے۔

محمد بن السائب الکلبی الکوفی۔ ان کے اوصاف جمیلہ کا کیا پوچھنا ہے۔ بہت مشہور و معروف بزرگ تھے مختصر یہ کہ شیعہ تھے۔ اور بالکل ہی متروک الحدیث تھے۔ مگر ان کی تفسیری روایتوں سے تفسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

یہی تین نہیں بلکہ ایک جماعت۔ اسی طرح کی آپ کو ملے گی۔ تفسیری روایات کے راویوں کے حالات میں میری ایک مستقل کتاب ہے۔ جس کا نام ہے اسفار المسفرین فی تراجم المفسرین جس میں کم و بیش دو سو راویان روایت تفسیر کے حالات مذکور ہیں۔ ان میں سے تین کے حالات تو آپ کو معلوم ہو چکے تین چار کے حالات اور بھی سُن لیجئے۔

اسمٰعیل بن عبدالرحمن بن ابی کریمہ السُّدی الکوفی یہ قریشی خاندان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تفسیری روایتیں ان سے بہت مروی ہیں۔ الشعبی کے سامنے کسی نے کہا کہ سُدّی کو علم قرآن کا ایک بڑا حصہ ملا ہے۔ تو شعبی نے فرمایا کہ سُدّی کو جہل از قرآن کا بہت بڑا حصہ ملا ہے۔ امام رجال و حدیث جوزجانی نے ان کو کذاب اور اسلاف کو گالیاں دینے والا کہا ہے۔ لیث بن ابی سلیم نے کہا کہ کوفے میں دو مشہور کذاب ہیں۔ جن میں سے ایک تو مر گیا۔ اور ایک ابھی زندہ ہے اور کلبی و سُدّی کا نام لیا یہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ جو تفسیریں بیان کرتا ہے۔ ان کے لئے سلسلہ اسناد خود بنا لیتا ہے۔ مختصر یہ کہ اول درجے کا کذاب تھا۔ ۱۲۷ھ میں اس کو وفات ہوئی۔ مگر محدثین کے اس اعتراف کے باوجود آپ تفسیری روایتیں اسی فیصدی ضحاک اور سُدّی یا کلبی ہی سے پائیں گے۔

بعض راویان تفسیر بذات خود ثقہ سمجھے گئے ہیں۔ مگر ان سے روایت کرنے والے مجروح ہیں مگر مفسرین ان تفسیروں کو انھیں ثقہ لوگوں کے نام سے لکھتے ہیں۔ اور جو مجروحین ان سے روایت کرتے ہیں۔ جن سے ان مفسرین کو وہ تفسیر ملی ان کا ذکر نہیں کرتے مثلاً محمد بن کعب القرظی تھے کہ اگرچہ یہ آزاد کردہ غلام تھے ان کے باپ یہودی قریظہ میں سے تھے۔ جو قیدیوں میں آئے تھے۔ مگر ان کو محدثین نے ثقہ و حجت لکھا ہے۔ اور ان پر کسی نے کوئی جرح نہیں کی ہے۔ ان سے بھی تفسیری روایتیں بہت ہیں مگر ان سے جو لوگ روایت کرتے ہیں۔ ان میں اکثریت مجروحین کی ہے جیسے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف ان کا مفصل ترجمہ تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۴۲۲ میں دیکھئے۔ منکر الحدیث، ضعیف الحدیث، غیر ثقہ لیس بشئی احد الکذابین۔ احد ارکان الکذب۔ رجل بطّال متروک الحدیث وغیرہ سب لکھا ہے۔ محمد بن کعب القرظی سے یہ بہت زیادہ روایت کیا کرتے تھے۔ یعنی تفسیریں گھڑتے تھے۔ اور ان کی طرف منسوب کرکے روایت کیا کرتے تھے۔

موسیٰ بن عبیدہ بن نشیط الربذی[1] ان کا بھی مفصل حال تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۵۶ سے صفحہ ۳۶۳ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کو لوگ "مدنی" لکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ربذہ کے رہنے والے تھے اور وہیں مرے۔ وہیں مدفون ہوئے۔ بہت دنوں تک کوفے میں بھی آکر رہے تھے۔ "ربذہ" ایک بستی تھی مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر مکہ معظمہ کے راستے پر۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ ان سے کسی حدیث کا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ تو کسی نے کہا کہ امام شعبہ نے تو ان سے روایت کی ہے۔ تو امام احمد نے فرمایا کہ ان کی جو باتیں دوسروں پر ظاہر ہو گئی ہیں اگر شعبہ پر بھی ظاہر ہو جاتیں۔ تو وہ کبھی ان سے روایت نہیں کرتے۔ امام احمد بن حنبل نے یہ بھی کہا کہ چار شخصوں کی حدیثیں نہ لکھی جائیں۔ موسیٰ بن عبیدہ، اسحٰق بن ابی فروہ، جویبر بن سعید اور عبدالرحمن بن زیاد امام بخاری نے موسیٰ بن عبیدہ کو "منکر الحدیث" لکھا ہے۔ اثرم نے کہا کہ ان کی حدیثیں جو عبداللہ بن دینار سے مروی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی اور ہی عبداللہ بن دینار ہیں۔ اور پھر کسی نے لیس بشئی کسی نے "ضعیف الحدیث" کسی نے "منکر الحدیث" کسی نے "لا یحتج بحدیثه" کسی نے غیر ثقہ اور کسی نے لا یحدث عنہ وغیرہ بہت کچھ کہا ہے۔ ۱۵۳ھ میں مرے۔ یہ بھی محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام بن زیاد بن ابی زید ابو المقدام حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے لکھا یہی ہے۔ مگر غالباً آل عثمان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بہرحال یہ محمد بن کعب القرظی سے تفسیری حدیثیں بہت روایت کرتے تھے۔ ائمہ رجال و حدیث میں سے ان کو کسی نے ضعیف کسی نے لا یحتج بحدیثه وغیرہ لکھا ہے۔ اور ابن حبان نے کھل کر لکھ دیا کہ یروی الموضوعات عن الثقات لا یجوز الاحتجاج بہ یہ ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کیا کرتے ہیں۔ ان کی سند لینا جائز نہیں ہے۔ ان کا سال وفات وغیرہ مذکور نہیں۔

اسی طرح مجاہد بن جبر ہیں جو مشہور راوی تفسیر ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر بہت

[1] یہ ایک مسجد میں کچھ قصے بیان کر رہے تھے اور ایک جماعت سن رہی تھی کہ مسجد کی چھت بیٹھ گئی۔ اور یہ اپنی جماعت کے ساتھ دب کر جان بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ واقعہ بقول صحیح ۱۵۳ھ کا ہے۔ ۲ - منہ غفرلہ

[2] زبذۃ۔ مدینہ طیبہ سے قریب کہ معظمہ کے راستے پر ایک بستی تھی۔ وہیں کے رہنے والے تھے۔ اس لئے انھیں زبدی کہتے ہیں۔ ان کے بھائی عبداللہ بن عبیدہ بھی انہی جیسے منکر الحدیث تھے۔ جن سے ان کے بھائی موسیٰ کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا تھا۔

روایت کیا کرتے ہیں سنہ ۲۱ھ میں بزمانہ خلافت حضرت فاروق اعظمؓ پیدا ہوئے تھے اور سنہ ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ سلیمان بن مہران الاعمش جو کوفے میں مشہور شیعہ محدث تھے۔ جن کے متعلق متعدد ائمہ حدیث کا قول ہے کہ اہل کوفہ کی حدیثوں کو اعمش الکوفی اور ابو اسحٰق السبیعی الکوفی نے برباد کیا۔ اور یہ دونوں شیعہ تھے۔ مگر اہل سنت نے بھی ان دونوں سے بہت حدیثیں لی ہیں۔ انہیں اعمش صاحب کا قول ہے کہ مجاہد بن جبر کہتے تھے کہ "اگر عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق ہم قرآن پڑھتے ہوتے۔ تو ہمیں عبداللہ بن عباس سے قرآن کی اکثر آیتوں کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی"۔ غالباً یہ قول اعمش کوفی کا بہتان ہے مجاہد نے کبھی نہیں کہا ہوگا۔ ورنہ بقول اہل کوفہ عبداللہ بن مسعودؓ نے تو اپنے مصحف کو محفوظ رکھا تھا۔ اور جب حضرت عثمانؓ نے بقول محدثین و مؤرخین قرآن کا ایک نسخہ کوفہ بھیج کر اہل کوفہ کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے مصحف کو اسی نسخے کے مطابق صحیح کرلے اور جو مصحف اس نسخہ سے اختلاف رکھتا ہو۔ اس کو ضائع کر دے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے انکار کر دیا اور اہل کوفہ سے کہا کہ تم لوگ اپنے مصاحف کو ضائع نہ کرو۔ اپنی حالت پر رہنے دو۔ چنانچہ اہل کوفہ میں سے حضرت ابن مسعود کے شاگردوں کے پاس انہیں کی قرأت کے مطابق مصاحف رہ گئے تھے اور ہر جگہ مصحف عثمانی کا رواج ہو گیا تھا۔ اگر مجاہد بن جبر کو مصحف ابن مسعود کی تلاش تھی۔ تو وہ کوفہ چلے آتے۔ اور ابن مسعود کے کسی شاگرد سے لے لیتے۔ اس میں دشواری کیا تھی۔ اور پھر اعمش تو کوفی ہی تھے۔ ان کے پاس تو ضرور وہی مصحف ہوگا۔ جو حضرت ابن مسعود کی قرأت کے مطابق ہوگا۔ اور یہ مجاہد ہی کے شاگرد تھے۔ جس وقت استاد سے یہ بات سنی تھی۔ اپنے پاس سے نکال کر حضرت ابن مسعود کا قرآن مجاہد کے سامنے پیش کر دیتے کہ لیجئے حاضر ہے۔ اب تو واویلا نہ مچایئے۔

مجاہد بن جبیر، سائب بن ابی السائب کے غلام تھے۔ مگر سائب بن ابی سائب کو کوئی تو صحابی لکھتا ہے۔ اور کوئی لکھتا ہے کہ یہ کافر تھے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ممکن ہے کہ مجاہد عبداللہ بن السائب بن ابی السائب کے غلام آزاد کردہ ہوں۔ کہ مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں ابتدا میں رہے۔ مگر بعد کو کوفے میں بہت دنوں تک رہے۔ اور ان سے بہت سے کوفیوں نے تفسیری روایتیں منسوب کیں۔ ان کو ائمہ رجال بہت سخت مدلس لکھتے ہیں۔ معلوم نہیں وہ تدلیسیں خود انہیں نے کیں۔ یا ان کے شاگردوں نے کیں۔ اور وہ ان کے سر منڈھ گئیں۔ ان کی کتاب تفسیر بھی جو پوری کی پوری حضرت ابن عباس سے مروی تو نہ تھی۔ بلکہ اسرائیلی قیدیوں کی اولاد سے پوچھ پوچھ کے بہت سی باتیں اسرائیلیات کی بھی ان میں بھری تھیں۔ اس پوری کتاب کے راوی ان سے صرف قاسم بن ابی بزہ ہمدانی ہی تنہا بلاشرکت غیرے تھے۔ اور ہم نے نزول عیسےٰ کی حدیثوں کی تنقید میں اس کا ذکر کیا ہے کہ ہمدانیوں میں عام طور سے تشیع تھا۔ اسی لئے قاسم بن ابی بزہ کے شاگردوں میں سے نظر بن خلیفہ الکوفی جو ابوبکر الخناط کے غلام آزاد کردہ تھے۔ وہی سب سے زیادہ مجاہد بن جبر کی تفسیر کی حدیثیں ان سے روایت کیا کرتے تھے۔ اور نظر بن خلیفہ مشہور و معروف شیعہ تھے۔ مگر بہرحال جو بھی مجاہد کی تفسیری حدیثیں روایت کرتا ہے۔ وہ قاسم بن ابی بزہ ہی کی کتاب سے روایت کرتا ہے۔ کیونکہ مجاہد سے تفسیری حدیثوں کی روایت قاسم بن ابی بزہ کے سوا اور کوئی نہیں کرتا۔ تہذیب التہذیب ج۸ ص۳۱۱۔

مقاتل بن سلیمان الخراسانی یہ بہت بڑے مفسر ہیں۔ اس حد تک کہ بعض لوگوں نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ الناس عیال علی مقاتل فی التفسیر یعنی لوگ تفسیر میں مقاتل کے محتاج ہیں۔ جس طرح صاحب خانہ کے محتاج نان و نفقہ میں اس کے اہل و عیال ہوتے ہیں"۔ اس سے بڑھ کر کسی مفسر کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ یہ ضحاک بن مزاحم اور مجاہد بن جبر دونوں کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کی تفسیر کو دیکھ کر نعیم بن حماد اور عبداللہ بن مبارک کہتے تھے کہ کاش یہ ان تفسیروں کی کوئی سند بھی رکھتے۔ یعنی محض اپنی رائے سے بلا سند و بلا دلیل تفسیریں لکھتے تھے۔ ابن مبارک نے ایک بار یہ بھی کہا کہ اگر یہ ثقہ ہوتے تو ان کی تفسیر بہت اچھی ہوتی۔ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ نہ تھے۔ ان کا خود یہ بیان تھا کہ ضحاک بن مزاحم کے یہاں تفسیر سننے کے لئے جاتے تھے۔ تو حجرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ اور دونوں کے درمیان تخلیہ میں تفسیری باتیں ہوتی تھیں"۔ ایک بار سفیان ابن عیینہ کے سامنے مقاتل کا یہ بیان نقل کیا گیا کہ "میں مزاحم کے یہاں جاتا تھا۔ تو وہ دروازہ بند کر دیا جاتا تھا"۔ تو ابن عیینہ نے کہا کہ ضرور بند کر دیا جاتا تھا۔ مگر مدینے کا دروازہ"۔ یعنی فیضان نبوی کی آمد موقوف ہو جاتی تھی۔

مگر جویبر بن سعید ان کے اس بیان کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ جویبر نے مقاتل کا یہ دعویٰ سنا تو کہا کہ جس وقت ضحاک کی وفات ہوئی ہے۔ اس وقت مقاتل کم سن بچے ہوں گے۔ اور ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ ضحاک کی وفات تو مقاتل کی پیدائش سے چار سال پہلے ہوئی تھی۔ ابراہیم حربی نے کہا کہ کلبی کی تفسیر اور مقاتل کی تفسیر دونوں برابر ہیں۔ اور کلبی تو ایک مشہور کذاب تھے۔ ان کی تفسیر کے برابر ان کی تفسیر ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں سمجھئے۔

اب یہ بھی سن لیجئے کہ مقاتل بن سلیمان کے متعلق ائمہ رجال و حدیث کی کیا رائیں ہیں وکیع بن جراح اور دارقطنی نے ان کو جھوٹا کہا۔ اور متروک الحدیث شمار کیا۔ یعقوب بن سفیان نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے۔ جن سے روایت کرنا جائز نہیں۔ عجلی نے بھی ان کو متروک الحدیث لکھا ہے۔ یہ سب تو ابن حجر نے انہیں کے ترجمے میں تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۲۷۹ سے ص۲۸۵ تک اور حالات کے ساتھ لکھا ہے اور جلال الدین سیوطی نے اتقان ص۱۹۵ میں لکھا ہے کہ فی المقاتل من المذاھب الردیۃ یعنی مقاتل میں مذہبی حیثیت سے خرابیاں تھیں"۔ اور ابن حجر تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۶۶ ترجمہ محمد بن عمر الواقدی میں امام نسائیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی باتیں لگاتے ہیں۔ ان میں سے چار شخص بہت مشہور ہیں۔ مدینہ میں واقدی۔ خراسان میں مقاتل بن سلیمان۔ شام میں محمد بن سعید المصلوب اور چوتھے کا ذکر نہ کیا۔ یا امام نسائی سے روایت کرنا والے بھول گئے۔ مگر دوسری جگہ نسائی کا یہ قول یوں نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن ابی یحیےٰ مدینہ میں۔ واقدی بغداد میں۔ مقاتل خراسان میں، اور محمد بن سعید المصلوب شام میں۔ مقاتل کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں لکھی ہے۔

اور پھر مقاتل صاحب بڑے سیاسی داؤ پیچ کے تھے۔ آخر خراسانی ہی تھے۔ دعوت عباسیہ کے فتنے میں یہ بڑے سرگرم کارکن تھے۔ اور عمّال حکومت کے خلاف سازشوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ ابن خلدون ج۳ ص۱۱۵ سے ص۱۱۶ تک دیکھ جائیے۔

[اس کتاب میں مجاز تفسیر کو سمجھنے کے لئے اتنا بہت کافی ہے۔ پوری حالت معلوم کرنے کے لئے میری کتاب تراجم المفسرین کی اشاعت کا انتظار فرمایئے]

حقائق و عبر

مولوی یہ ہوتا ہے

جماعت اسلامی کے جریدہ "تسنیم" (بابت ۵ اپریل) کے صفحہ اول پر یہ خبر شائع ہوئی ہے۔

"جماعت اسلامی کی تحریک وقت کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اٹھی ہے اور عوام میں تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہی ہے۔ اس کی ترقی اور مقبولیت ہمارے لئے باعث فخر ہے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو جناب مولانا ظفر احمد عثمانی نے جماعت اسلامی مشرقی پاکستان کی تربیت گاہ میں شرکا کی ایک بہت بڑی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے کہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ "جناب مولانا ظفر احمد عثمانی" کون بزرگ ہیں؟ یہ وہی مولانا ہیں جو اس سے پہلے اسی جماعت اسلامی کے امیر سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے متعلق حسب ذیل فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔

بظاہر یہ شخص منکر حدیث ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج تو نہیں مگر گمراہ اور مبتدع ہے۔
ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے۔
اور اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیئے
اس کو جاہل اجہل سمجھنا چاہیئے

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
از ڈھاکہ۔ ۲ رجب ۱۳۷۲ھ

یہ تھا دو برس قبل 'حضرت مولانا' کا فتویٰ 'جناب مودودی صاحب' کے متعلق۔ اور اب یہی حضرت مولانا صاحب اس منکر حدیث، گمراہ، مبتدع، ناقابل اعتماد، جاہل اجہل، شخص کی تحریک کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ تحریک وقت کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اٹھی ہے۔ اور اس کی ترقی اور مقبولیت مولانا صاحب کے لئے باعث فخر ہے۔ علاوہ' اور باتوں کے' ذرا ان حضرات کی دیانت ملاحظہ فرمایئے کہ نہ تو یہ مولانا صاحب اپنے اس فتوٰی کا کوئی ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اسلامی جماعت ان سے اس کے متعلق ایک لفظ تک کہتی ہے حالانکہ انہیں اس فتوے کا پورا پورا علم ہے۔ یہ سب اس لئے کہ یہ مولانا حضرات اسلامی جماعت کے پروپیگنڈے سے خائف ہیں اور ان کا ساتھ دینے میں بہت سے مفاد کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اسلامی جماعت کو ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ مولویوں کو اپنے ساتھ رکھا جائے۔

سوچیئے کہ جو لوگ آج یہ کچھ کر سکتے ہیں وہ سلاطین کے درباروں میں کیا کچھ نہیں کرتے ہوں گے؟ لیکن آج سے بھی زیادہ تعجب ہے، اس قوم پر جو ان لوگوں کی ان تمام کرتوتوں سے واقف ہونے کے باوجود، انہیں بدستور اپنا راہ نما اور پیشوا مانتی چلی جاتی ہے۔

تعدد ازدواج

انجمن خواتین پاکستان (اپوا) کی طرف سے، وزیر اعظم کی دوسری شادی کے سلسلہ میں جو مہم جاری ہے، وہ اندرون ملک اور بیرون پاکستان دونوں میں دلچسپی کا موضوع بن رہی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے دلچسپ ٹکڑا یہ ہے کہ انجمن کی سکریٹری (بیگم حسین ملک) نے، اپنی پریذیڈنٹ، بیگم لیاقت علی خاں (یعنی رعنا لیاقت علی خاں) کو لکھا کہ وہ اس تحریک کے متعلق انجمن کو اپنے خیالات اور راہ نمائی سے سرفراز فرمائیں۔ یہ لکھتے وقت، سکریٹری صاحبہ قطعاً بھول گئیں (اور اگر ایسا دانستہ کیا گیا تھا تو یہ نہایت "تلخ و شیریں مذاق تھا) کہ صدر صاحبہ، خود اپنے خاوند (مرحوم لیاقت علی خاں) کی دوسری بیوی تھیں اور انہوں نے خان صاحب مرحوم کی بیگم اول سے تمام اعزازات اسی طرح چھین رکھے تھے جس طرح وزیر اعظم محمد علی کی دوسری بیوی نے، بیگم اول کے مناصب غصب کر لئے ہیں اور جن کی بازیابی کے لئے انجمن خواتین نے یہ تحریک اٹھا رکھی ہے۔ سکریٹری صاحبہ نے اس استفسار سے صدر صاحبہ کو گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل والے مخمصہ میں ڈال دیا۔ اگر وہ اس تحریک کی تائید کرتی ہیں تو بیگم عالیہ سے یہ طعن سننے کا ڈر ہے کہ "بہن! میں نے تو یہ کچھ تمہیں سے سیکھا ہے۔ اس لئے چھاج تو بولے چھلنی کیا بولے؟" اور اگر صدر صاحبہ اس تحریک کی مخالفت کرتی ہیں تو "اپوا" کی صدارت چھن جانے کا خطرہ ہے۔

غرض دوگونہ عذاب است......

لیکن بیگم رعنا بھی کچی گولیاں کھیلی ہوئی نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک پولٹیکل جواب دیا ہے کہ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لکڑی بھی نہ ٹوٹے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں اس کا متعین جواب تو مزید تفاصیل معلوم کر کے دوں گی جب میں کراچی آؤں گی۔ لیکن اس دوران میں میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ خواتین ذرا متانت اور سنجیدگی سے کام لیں اور ذاتیات میں نہ الجھیں۔

ہمارا خیال ہے کہ صدر صاحبہ کو چاہیئے کہ اس طرح کی سکریٹری سے جواب طلب کریں جس نے اس قسم کا استفسار کرتے وقت نزاکت حالات کا قطعاً احساس نہیں کیا۔ اور صدر کو ایسی مشکل (AWKWARD) پوزیشن میں ڈال دیا کہ

نہ بھاگا جائے ہے اس سے نہ ٹھیر جائے ہے اس سے

نہ صرف صدر صاحبہ کو بلکہ پوری کی پوری اپوا کو مشکل میں ڈال دیا۔ اگر بیگم عالیہ نے اپوا سے کہہ دیا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو اور وزیر اعظم محمد علی نے کہہ دیا کہ جو مطالبہ مجھ سے کیا جا رہا ہے (کہ خاتون مملکت بیگم اول ہی کو رہنا چاہیئے) وہ مطالبہ لیاقت علی خاں مرحوم سے کیوں نہیں کیا گیا تھا تو اس کے لئے کس قدر خفت کا سامنا ہوگا ——!

آہ بچاری اپوا۔

سوئی گیس (صفحہ ۶ سے آگے)

ان حالات میں ہم حکومت اور پی۔ آئی۔ ڈی۔ سی سے التماس کرتے ہیں کہ وہ گیس کے استعمال میں فضول خرچی کا ثبوت نہ دے اور اس کی مدات استعمال میں صرف انہی کو ترجیح دے جس سے ملک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ اگر اس کے بعد بھی گیس بچ جائے اور یہ اطمینان ہو کہ ضروری مدات کو نقصان نہیں پہنچے گا تو پھر اسے کاروں وغیرہ جیسی مدات پر استعمال کرنے پر غور کیا جا سکتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے قدرت کی طرف سے عطا کردہ ذرائع تمام نوع انسانی کی ضروریات پورا کرنے کے لئے ملتے ہیں اس لئے ان میں نفع اندوزی کا جذبہ کہیں نہیں آنا چاہیئے۔ ضرورتمندوں تک اس طرح پہنچانا چاہیئے کہ اس میں نفع حاصل کرنے کا عنصر بالکل نہ آنے پائے۔

آپ
طلوع اسلام
کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنایئے۔
اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔
کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے۔
اپنے علاقہ سے طلوع اسلام کیلئے
اشتہار مہیا کیجئے

باب المراسلات

عید الفطر متعدد مقامات سے استفسارات موصول ہوئے ہیں کہ عید الفطر کس تقریب کی یاد میں منائی جاتی ہے اور اس تیوہار کی غایت کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ رمضان المبارک اور اس کے خاتمہ پر عید الفطر درحقیقت نزول قرآن کی سالگرہ منانے کا مقدس جشن ہے۔ دنیا میں عام طور پر جشن و مسرت کے تیوہار، موسموں کی تبدیلی، یا کسی انسان کی یادگار قائم کرنے، یا کسی تاریخی واقعہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ موسموں کا تغیر خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ انسانوں کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں۔ اور دنیاوی واقعات بھلائے جا سکتے ہیں لیکن خدا کا وہ پیغام جو قرآن کریم کے اندر محفوظ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ کبھی مٹ نہیں سکتا کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس نے لی ہے۔ جو زندہ ہے اور کبھی مر نہیں سکتا۔ ایسا قائم ہے کہ اسے فنا و زوال نہیں۔ یہ جشن عید اس خدائے حی و قیوم کی زندہ و پائندہ کتاب کے نزول کی یادگار ہے۔ اس جشن کو منانے کے لئے مہینہ بھر سے تیاریاں کی گئیں (وہ تیاریاں بھی درحقیقت اسی جشن کا ایک جزو تھیں) اسلام قوانین خداوندی کی اطاعت کا نام ہے۔ زبردستی اطاعت نہیں۔ بلکہ دل کی پوری رغبت سے اطاعت۔ یہ انہی قوانین کی اطاعت ہے کہ ایک عبد مومن حرام اور ناجائز شے کو چھو نہیں سکتا۔ اس کے ہاتھوں کسی شخص کے مال، جان، عزت و آبرو کو ناحق کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اسی جذبۂ اطاعت کی تقویت کے لئے حکم دیا گیا کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ وقت کے لئے حلال اور طیب چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ حرام اور ناجائز کی طرف کبھی نگاہ بھی نہ اٹھنے پائے۔ انھیں دن بھر بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے کا خوگر بنایا گیا۔ تاکہ یہ جہاد زندگی کے سخت ترین مرحلوں سے ہنستے کھیلتے گزر جانے کے عادی ہو جائیں۔ گویا یہ ایک سالانہ ٹریننگ کیمپ تھا جس میں زندگی میں تازہ ولولے پیدا کرنے کے سامان فراہم کئے گئے تھے۔ ایک یادداشت تازہ کرنے والا (REFRESHER COURSE) تھا جس میں خدا اور بندے کے براہ راست تعلقات کی یاد تازہ کی گئی تھی سالانہ محاسبہ (STOCK TAKING) تھا۔ جس میں سال بھر کے اعمال اور نتائج کی جانچ پڑتال کر کے جائزہ لینا تھا کہ ہم ایک سال میں کس حد تک آگے بڑھے ہیں۔ جب پورے ایک ماہ کی محنت اور اطاعت کے بعد دلوں میں تزکیہ، نگاہوں میں بصیرت، ذہن میں جلا اور روح میں بالیدگی پیدا ہو گئی تو ان تمام کو یکجا جمع ہونے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ انھیں اس زندگی کے حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ جو جماعت مومنین کی خصوصیت ہے۔ اور جس کے وعدے قرآن کریم کے ایک ایک صفحہ پر سچے موتیوں کی طرح ابھرے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اس سوچ بچار کے بعد اپنے لئے ایک پروگرام تیار کر لیں۔ جس کا اعلان ان کا منتخب امام اپنے خطبہ میں کرے۔ اس کے بعد ان کے نمائندے اس طے شدہ پروگرام کو لے کر ملت اسلامیہ کے مرکز محسوس یعنی بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہو جائیں۔ جہاں ان مختلف مقامی پروگراموں کی روشنی میں تمام ملت کے لئے مشترکہ نظام تجویز کیا جائے۔ یہ ہیں اس جشن مسرت کے مختلف اجزا اور یہ ہے ان اجزاء کی اجمالی تفصیل انھیں سامنے رکھئے۔ اور پھر دیکھئے کہ یہی تقریبیں جن کے ہر گوشہ بساط پر کبھی زندہ آرزوئیں مچلتیں اور تازہ ولولے رقص کرتے تھے۔ ان کی روح کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے پر کس طرح رفتہ رفتہ رسمی اجتماعوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ بقول علامہ اقبال علیہ الرحمتہ

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

بزم طلوع اسلام

اس وقت آپ طلوع اسلام پڑھ رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ آپ برسوں سے طلوع اسلام پڑھتے چلے آ رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ اسے اس لئے پڑھتے ہیں کہ آپ کو اس کے پیش کردہ فکر سے اتفاق ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ جس قرآنی نظام کا نقشہ ان صفحات میں پیش ہوتا رہتا ہے وہ جلد سے جلد قائم ہو تاکہ ظلم کا استیصال ہو۔ عدل عمرانی کا چرچا ہو اور افراد معاشرہ نشوونما کے تمام ممکن ذرائع سے متمتع ہو سکیں۔ یہ قدرتی خواہش آپ کے دل میں کئی مرتبہ پیدا ہوئی ہوگی اور آپ نے بڑی بے صبری اور بے چینی سے چاہا ہوگا کہ اس کے حصول کی کوئی صورت نکل آئے اب جب آپ طلوع اسلام پڑھ کر اس فضا میں پہونچے ہیں تو آپ کے دل میں پھر سے ویسے ہی خیالات موجزن ہوں گے۔ آج ذرا طبیعت کے اس رنگ کا فائدہ اٹھائیے اور طلوع اسلام کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ نہ کہیے کہ اے کاش ایسا معاشرہ جلد قائم ہو جائے بلکہ ایک عملی آدمی کی حیثیت سے یہ سوچئے کہ ایسا معاشرہ قائم کیسے ہو سکتا ہے۔ اور آپ اس کے قائم کرنے میں کیا مدد دے سکتے ہیں؟

ایک قائم معاشرے کی جگہ نیا معاشرہ اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ افراد معاشرہ حاضرہ موجود سے بیزار نہ ہو جائیں اور ان کے دل و دماغ میں بہتر معاشرے کا تصور موجود نہ ہو۔ اس کے بعد ضروری ہوتا ہے کہ وہ تمام افراد جمع ہو جائیں۔ جو رائج معاشرے سے بیزار ہیں اور اس کی بجائے نیا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ جوں جوں یہ دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور لوگ اس میں داخل ہوتے جاتے ہیں اسی طرح رفتہ رفتہ افراد معاشرہ اس حد تک نئے تصور سے سرشار ہو جاتے ہیں کہ وہ بوسیدہ نظام کو اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اس کے کھنڈرات پر نئی منزل کھڑی کر دیتے ہیں۔ اب آپ دیکھیے کہ کیا آپ نے ہم خیال پیدا کرنے اور انھیں ایک رشتہ میں پرونے کا کچھ بندوبست کیا ہے۔ مثلاً آپ نے اپنا مافی الضمیر کسی کے سامنے پیش کیا۔ جو پہلے اسے نہیں جانتا تھا؟ یا آپ اپنی خلوتوں سے نکل کر اس راہ پر کبھی گئے ہیں۔ جہاں اور ہم خیال بھی مل سکتے ہیں؟ اگر آپ نے ایسا کر لیا ہے تو آپ نے بیج بو دیا ہے۔ اب اس کی آبیاری کیجئے اور دیکھئے کہ اس بیج کی کونپل پھوٹے اور بالآخر وہ شجر طیب بن کر رہے جس کی جڑیں پاتال تک پہونچ جاتی ہیں۔ اور شاخیں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں۔ اس درخت کا استیصال امر محال ہو جاتا ہے۔

اگر آپ نے ابھی ایسا نہیں کیا تو آیئے اٹھ کر ذرا آس پاس دیکھئے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آپ ہی کی طرح طلوع اسلام پڑھتے چلے آتے ہیں اور سینوں میں آپ ہی کی طرح کی خواہشات دبائے پھرتے ہیں۔ یہ آپ کے معاونین اور رفقائے کار ہیں ان سے رابطہ پیدا کیجئے۔ کبھی مل بیٹھئے اور تبادلہ خیالات کیجئے رفتہ رفتہ آپ محسوس کریں گے کہ اس سے پیشتر کبھی کبھی آپ پر تنہائی اور یاس کے جو احساسات غالب آ جایا کرتے تھے۔ وہ اب کافور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور آپ میں مقصد کے حصول کے لئے ایک ولولۂ عمل بیدار ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کے رفقاء بھی ایسے ہی محسوس کر رہے ہیں۔ اس فضا میں آپ دیکھیے گا کہ کام ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ اس راہ پر ایک مرتبہ چل دیجئے۔ پھر آپ کا ہر قدم آپ کو منزل سے قریب تر کرتا جائے گا۔ اگر آپ کو ہم خیال تلاش کرنے میں دقت ہو تو ہمیں اطلاع دیجئے ہم آپ کا نام طلوع اسلام میں شائع کر دیں گے۔ اس پر مقامی قارئین آپ سے رابطہ پیدا کر لیں گے۔ ہم نے خریداروں کی قصبہ وار فہرست بھی تیار کر لی ہے۔ آپ چاہیں تو اس میں سے آپ کے شہر کے خریداروں کا نام دے سکتے ہیں۔

آپ اور آپ کے رفقائے کار مل بیٹھیں تو اس اجتماع کو "بزم طلوع اسلام" کا نام دیجئے۔ اس کی تحویل میں ایک لائبریری قائم کیجئے جو طلوع اسلام اور اس کی مطبوعات کو ان تک پہنچانے کا ذریعہ ہو جو اب تک ان سے بے خبر ہے۔ یا جو انھیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس طرح آپ کا مرکز بن جائیگا تو پھر آپ کے پاس ایک طرف ایسے لوگ آئیں گے جو آپ کی تحریک سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں گے ان کی پوری تشفی کیجئے طلوع اسلام کے فکر سے قدرے اجنبی ہونے کی حیثیت سے ضرورت ہوگی کہ انھیں مناسب طریق سے اس فکر سے متعارف کرا دیا جائے۔ آپ یہ فریضہ انجام دیجئے اس میں آپ کو اور رفقائے کار مل جائیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پاس بعض ایسے حضرات بھی آئیں گے۔ جو خواہ مخواہ کی حجت پیدا کریں گے اور کام میں رخنے ڈالیں گے۔ ان کے اعتراضات کا تو پورا پورا جواب دیجئے۔ لیکن ان سے زیادہ مت الجھئے۔ کیونکہ انھیں کام سے سروکار نہیں۔ ان میں نہ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ نہ وہ کسی کو کام کرنے ہی دیتے ہیں۔

واہ چھاؤنی یہ دیکھئے۔ واہ چھاؤنی نے ہمت کی تو بزم طلوع اسلام قائم ہو گئی۔ اس کا پہلا اجلاس منعقد ہو چکا ہے۔ اس میں رائے محمد اختر خاں صاحب کو بزم کا ترجمان منتخب کیا گیا۔ بزم نے فیصلہ کیا ہے کہ کوارٹر نمبر ۱۴۲
[illegible]

تاریخی شواہد (صفحہ ۱۵ سے آگے)

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی ان چیزوں کی عظمت و تقدس کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی سند تمہارے پاس نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قدر و منزلت کے پرکھنے کا صحیح معیار وہ سند ہے جو منزل من اللہ ہو۔ ہر شے کو میزانِ خداوندی میں رکھ کر دیکھ لیجئے۔ یہ "دھرم کانٹا" جو وزن بتلائے وہی درست اور صحیح ہے۔ خواہ آپ کا ذہن یا اسلاف پرستی کے معتقدات کچھ ہی کیوں نہ کہیں۔ محض اسماء کو دلیل اور حجت سمجھ لینا، حقیقت فراموشی اور خود فریبی ہے۔ دلیل اور حجت اس آسمان کے نیچے فقط ایک ہے اور وہ ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

نوادرات

علامہ اسلم جیراجپوری کے مضامین کا

نادر مجموعہ

قیمت چار روپے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے مندرجہ ذیل پرچے دفتر میں موجود ہیں۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۰ء	نومبر (ایک پرچہ)
۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر۔
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے

بزمہائے طلوعِ اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات

اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام

معراجِ انسانیت — سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ: اسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ از پرویز — خدا عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے تقریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط حسین جلد بمعہ گرد پوش۔ قیمت بیس روپے۔

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۰ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے دو سو چوبیس صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۲۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوئے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۲۲۵ صفحات۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث چار سو آٹھ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ۱۵۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو۔ اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دورِ آزادی کی سسکتی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناسِ رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناسِ رسول! مزاج شناس کون ہیں۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۰ صفحات اور قیمت فی جلد چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ ہر جلد کے تقریباً ۴۰۰ صفحات اور قیمت فی جلد چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۶ صفحات۔ قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات۔ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔ صفحات ۱۹۲ قیمت ایک روپیہ

نظامِ ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور۔ دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت سوا تین سو صفحے۔

قیمت — قسم اول: چھ روپے — قسم دوم: چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶۔ قیمت دو روپے

نوٹ:۔ تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

عالمِ اسلامی

ٹیونس اور فرانس کے مابین داخلی آزادی کے سلسلہ میں جو مذاکرات گذشتہ سال سے شروع ہیں۔ ان سے متعلق خبر ہے کہ اس ماہ کے آخر میں کچھ تصفیہ ہو جائے گا۔ تصفیہ دراصل ہو چکا ہے لیکن اس کی تفاصیل شائع نہیں ہوئیں۔ ٹیونس کے قائد حبیب بورقیبہ نے اسے سراہا ہے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ تصفیہ قابلِ قبول ہے لیکن ٹیونس میں ایسا طبقہ موجود ہے جو داخلی آزادی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور وہ مکمل آزادی پر مصر ہے۔ مکمل آزادی کا مطالبہ یوں تو بالکل حق بجانب ہے لیکن اس پر اصرار کی خصوصیت سے یہ وجہ ہے کہ فرانس نے داخلی آزادی دینے میں بھی بڑے بخل سے کام لیا ہے۔ اور اس سے متعلق مذاکرات ایک عرصہ بدیں وجہ معطل رہے کہ وہ پولیس کو ٹیونس کی تحویل میں دینے پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔ اس سے متشدد طبقہ کا پیدا ہو جانا بالکل قدرتی امر ہے نیز یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ فرانس نے ٹیونس کے ہمسایہ ممالک الجیریا اور مراکش سے ابھی تک کسی قسم کے مذاکرات شروع نہیں کئے۔ اس سے بجا طور پر ان علاقوں میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ اب سارے مغرب اقصیٰ میں پھر سے بدامنی کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ ان دنوں ٹیونس، الجیریا اور مراکش سب ہی جگہوں پر مظاہرے ہوئے۔ جن میں مظاہرین نے آزادی کا مطالبہ کیا۔ اس کا جواب فرانس نے مزید فوجیں بھیج کر دیا۔ چنانچہ جگہ بہ جگہ آزادی خواہوں اور فرانسیسی فوجوں میں جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ فرانس فوجی طاقت پر بھروسہ کر رہا ہے اور مزید کمک بھیج رہا ہے۔ ہند چینی میں آٹھ سال ٹھوکریں کھانے اور ذلت آمیز شکست کھا جانے کے بعد بھی فرانس کو ہوش نہیں آیا۔ اور وہ بدستور فوجوں کے زور پر آزادی کی تحریک کو کچلنے میں مصروف ہے۔ شاید وہ سمجھتا ہے کہ ہند چینی سے فارغ ہو کر وہ زیادہ بے فکری سے مغرب اقصیٰ میں فوجی طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔ یہ وقتی طور پر درست ہو سکتا ہے لیکن زود یا بدیر فرانس کا شمالی افریقہ میں بھی وہی حشر ہوگا جو ہند چینی میں ہو چکا ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانانِ عالم مظلومین مغرب اقصیٰ کی کچھ مدد نہیں کر سکے۔ وہ اپنے اپنے دھندوں میں الجھ کر زبانی جمع خرچ کافی سمجھتے ہیں۔ اگر وہ واقعی عملی امداد کا پروگرام بنائیں۔ تو فرانسیسی تشدد و بربریت کا کم سے کم وقت میں خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

ان ممالک کا عرب ہمسایہ جو بزعم خویش عربی وحدت کا علم بلند کئے ہوئے ہے عراق کو "آزاد" کرانے میں مصروف ہے عراق ایک عرصہ سے شکایت کر رہا ہے کہ مصر میں ایک خفیہ "آزاد عراق ریڈیو" کام کر رہا ہے جو عراق کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے۔ عراق اس کے خلاف مصر سے کئی بار گفتگو کر چکا ہے۔ لیکن اس کا کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا۔ اب عراقی وزیر اعظم نوری السعید نے مصر میں متعینہ عراقی سفیر نجیب الراوی کو بغداد طلب کیا ہے۔ الراوی اپنے وطن جانے سے پہلے کرنل ناصر سے بھی اس سلسلہ میں مل چکے ہیں۔ انھوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ مصر سعودی عربیہ اور شام سے مل کر جو نیا دفاعی معاہدہ مرتب کر رہا ہے وہ سراسر عراق کے خلاف ہے۔ انھوں نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر مصر کا مقصد اسرائیلی خطرے کا مقابلہ ہوتا تو اس کے لئے پہلے سے دفاعی معاہدہ موجود ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر موجودہ معاہدہ کو ناکافی سمجھا جاتا ہے تو اس میں مناسب اصلاح و ترمیم کرنی چاہیئے۔ اور عراق اس کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ عراق کا یہ موقف بڑا معقول ہے اور اگر مصر کو واقعی عرب یا مسلمانوں کا دفاع و تحفظ مقصود ہے تو اسے دوسرے ممالک سے اتحاد و تعاون کا ثبوت دینا ہوگا۔ نہ کہ ان کی بلا وجہ مخالفت کر کے انھیں اپنے سے اور دور کرنا ہوگا۔ تعجب ہے کہ مصر اب تک اس رویہ پر قائم ہے۔ حالانکہ بندونگ کی ایشیائی افریقی کانفرنس میں یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ہر ملک کو دفاعی تنظیموں میں شریک ہونے کا حق ہے اس کے باوجود مصر عراق کا یہ حق تسلیم نہیں کرنا چاہتا کہ وہ ترکی اور پاکستان سے معاہدہ کر سکتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں پاکستان نے ممالکِ اسلامیہ میں معاشی تعاون کی ایک عمدہ مثال قائم کی ہے۔ پی۔ آئی۔ ڈی۔ سی (P.I.D.C) نے جو پاکستان میں صنعتی ترقی کی بہت حد تک ذمہ دار ہے ترکی میں ترکی اور پاکستان کے مشترکہ سرمایہ ڈیڑھ کروڑ روپے سے ایک جوٹ مل قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کارخانہ دو سال بعد تیار ہو کر کام کرنا شروع کر دے گا۔ اور ابتداً اتنا مال تیار کرے گا جو ترکی کی ضروریات کے لئے کافی ہوگا اسی طرح کے کارخانے مصر اور عراق میں بھی قائم کئے جائیں گے چنانچہ دونوں ممالک سے مذاکرات ہو رہے ہیں۔ ایسے اقدامات متعلقہ ممالک کو قریب تر لانے میں بھی ممد ہو سکتے ہیں اور انکی معاشی ترقی کے بھی ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جس پہ پی آئی ڈی سی ہزار تبریک کی مستحق ہے۔

بین الاقوامی جائزہ

بین الاقوامی سیاست میں بظاہر تعطل سا ہے۔ اور گذشتہ ہفتہ میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ ہو نہیں رہا۔ عالمی سیاست کی ساری توجہ اس وقت روس کی "مساعی امن" پر مرکوز ہے۔ اس نے اقوامِ مغرب کے دفاعی اقدامات میں رخنے پیدا کرنے کی اب یہ تدبیر نکالی ہے کہ بہلا پھسلا کر زیادہ سے زیادہ ممالک کو غیر جانبدار بنا لے اس کے لئے اس نے اقوامِ مغرب کی اعلیٰ کانفرنس کی تجویز کو منظور کر لیا ہے اور اس طرح انھیں یہ "یقین" دلا دیا ہے کہ وہ عالمی کشیدگی کم کرنے کے ذرائع سوچنے کے لئے تیار ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یورپ میں اس نے آسٹریا کو غیر جانبدار بنا لیا ہے۔ اب اس نے یوگوسلاویہ کو غیر جانبدار بنانے کی بازی لگائی ہے۔ مارشل بلگانن اور کروشیف کا بذات خود بلگریڈ جانے کا فیصلہ ظاہر کرتا ہے کہ روس اس مقصد کے حصول کے لئے آخری بازی لگانے کے لئے تیار ہے۔ یوگوسلاویہ روس کا حلقہ بگوش تھا لیکن وہ "باغی" ہو کر مغرب کی طرف جھک گیا۔ اور ترکی کی مساعی سے معاہدہ بلقان میں شریک ہو کر بالواسطہ ناٹو سے منسلک ہو گیا۔ کیونکہ اس کے دوسرے معاہد ممالک ترکی اور یونان ناٹو کے رکن ہیں۔ ایسے نظر آتا ہے کہ روسی قائدین کے دورۂ یوگوسلاویہ کا راستہ ہندوستان نے صاف کیا۔ ابھی پچھلے دنوں مارشل ٹیٹو ہندوستان آئے۔ مارشل موصوف کا پنڈت نہرو سے ملنا بظاہر دور از کار سی بات معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ دونوں کے مفادات میں کوئی ایسا اشتراک نہیں تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت نہرو نے مارشل ٹیٹو کو غیر جانبداری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ اور اس طرح دانستہ یا نادانستہ روس سے گفتگو کرنے کے لئے فضا تیار کی۔

یوگوسلاویہ کے ساتھ روس کی کوشش جرمنی کو غیر جانبدار بنانے کی ہے تاکہ اس کی فوجیں اقوامِ مغرب کے کام نہ آ سکیں اس کے لئے وہ وحدت کا سبز باغ دکھا رہا ہے۔ یہ قابلِ ذکر ہے کہ وارسا میں جو آٹھ قومی اشتراکی کانفرنس ہوئی۔ اور جس میں اشتراکی ناٹو کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس میں مشرقی جرمنی کو شریک نہیں کیا گیا۔ ایسا مصلحتاً کیا گیا ہے۔ تاکہ مغربی جرمنی کو یہ یقین دلایا جا سکے کہ روس متحدہ جرمنی کے لئے کوشاں ہے۔ جرمنی کا مسئلہ خصوصیت سے دول اربعہ کی اعلیٰ کانفرنس میں سامنے آئے گا۔

مشرق میں چین بھی اسی کوشش میں ہے کہ غیر جانبدار علاقہ وسیع تر ہو جائے۔ بندونگ اسی خواہش کی تکمیل کی ایک صورت تھی۔ ابھی تک نہیں کہا جا سکتا کہ چین اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اب روس بھی مشرق بعید کے محاذ پر آ گیا ہے چنانچہ اس نے جاپان سے مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے یہ مذاکرات یکم جون کو شروع ہوں گے۔ ان مذاکرات میں روس جاپان کو کافی لالچ دے سکتا ہے۔ جاپان کی تجارت چین ☚

اور روس سے بالکل بند پڑی ہے۔ حالانکہ اس کے مال کے نکاس کے یہ عمدہ راستے ہیں۔ بے شمار جاپانی قیدی ابھی تک روس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بعض جزائر بھی روس کے تصرف میں ہیں ظاہر ہے کہ روس ان تمام امور سے متعلق کافی مراعات دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ جاپان کو امریکہ سے کاٹ کر علیحدہ کر دے اور اسے غیر جانبدار بنا لے۔ امریکہ اس صورتِ حال کو کبھی پسند نہیں کرے گا۔ لیکن اب جو دونوں ممالک کے مذاکرات باہمی کی طرح پڑ گئی ہے، تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا

مغربی ویٹ نام میں حالات ابھی تک معمول پر نہیں آئے وزیر اعظم ڈیم نے علانیہ تو نہیں کہا لیکن وہ در پردہ شاہ باؤدائی کو ملک سے بے دخل کرانے میں مصروف ہیں۔ ان کے حامی ری پبلک کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو امریکہ کے مقابلہ میں فرانس کو بھاری شکست ہوگی کیونکہ فرانس باؤدائی کو اپنے مفاد کے حق میں سمجھتا ہے۔ اس ملک میں جو شورش اور بدامنی پائی جاتی ہے اس کا وقتی فائدہ امریکہ کو

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس روپے* کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ھفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ھفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

☆ نظام ربوبیت ☆

(از۔ پرویز)

شائع ہوگئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے
اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال۔ یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ہے۔ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رہی
ہے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کردیا ہے۔
رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔
چونکہ اس کتاب کی عام اشاعت مقصود ہے اس لئے اسے
دو قسموں میں شائع کیا گیا ہے۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھ روپے

قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف ڈسٹ کور کے ساتھ۔ چار روپے

دونوں صورتوں میں محصول ڈاک الگ ہے۔

بہت جلد فرمائشیں بھیجیں۔ جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ہے انہیں
قسم اول از خود بھیجدی جائیگی۔ اگر وہ کتاب نہ لینا چاہیں یا قسم
دوم لینا چاہیں تو بہت جلد اطلاع بھیجدیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM